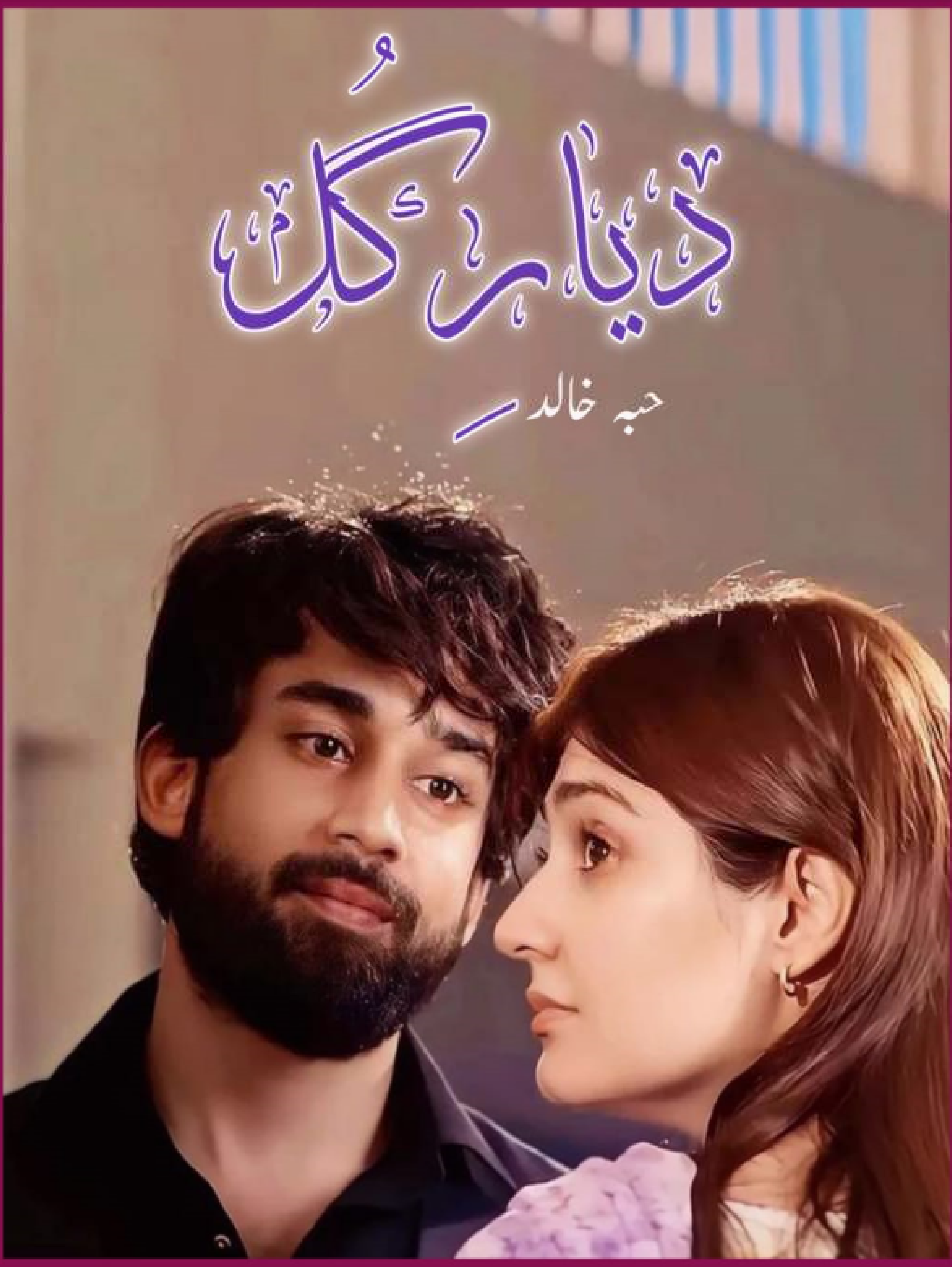
دیارِ گُل
حبہ خالد

Book : Diyar E Gul

Author : Hiba Khalid

Genre : Love Story, Family Drama, Childhood Love Story, Romantic Novel

NOVEL IN URDU

دیارِ گل

حبہ خالد

پیش لفظ

دیارِ گل کا خیال مجھے عزیزم سے بہت پہلے آیا تھا۔ مگر وہ ایک نقطہ جس سے آگے میری کہانی بڑھ نہیں پارہی تھی اس ایک نقطے کی وجہ سے میں نے اس کو لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ پھر کافی عرصہ بعد مجھے ایک خیال آیا جس سے اس کہانی کی کڑیاں ملیں اور آج دیارِ گل ایک مکمل کہانی کے روپ میں آپ کے سامنے ہے۔ میری اس کہانی کے کردار میرے دل کے زیادہ قریب ہیں۔ میں چاہوں گی کہ میرے ان کرداروں سے آپ خود کو مقابل رکھے بغیر پڑھیں تب ہی یہ کردار آپ کو زندگی کا عکس دکھا سکیں گے۔ یہ کہانی ایک مکمل افسانوی کہانی ہے جو میں نے کسی کی زندگی سے نہیں اٹھائی بلکہ ایک آئیڈیا تھا جس کو میں نے اپنی تخیلاتی دنیا میں ڈھال کر ایک کہانی کا روپ دیا ہے۔ امید کرتی ہوں کہ یہ کہانی آپ لوگوں کو پسند آئے گی۔

شکریہ

انتساب

یہ ناولٹ میرے تمام قارئین کے نام

بادلوں میں چھپا سورج ابھی ٹھنڈا تھا۔ پشاور کے مقیم اب گھروں سے باہر آرہے تھے۔ سب ہی اپنے کاموں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ صبح کے سات بج رہے تھے اور حیات آباد اب جاگ رہا تھا۔ حیات آباد کی گلیاں ایک بار پھر گنجان آباد ہو رہی تھیں۔ تبھی وہ تیرہ سالہ لڑکا لوہے کا دروازہ کھول کر باہر نکلتا ہے اور دروازے کی باہر سے کنڈی لگاتا نچلی روڈ پر چل پڑا تھا۔ وہ صاف دھلے ہوئے یونیفارم کے ساتھ بیگ کندھے پر ڈالے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے دماغ کے پردوں میں ابھی تک وہ چیخیں گونج رہیں تھیں۔ وہ ان کو اپنے اندر کسی ویرانے میں دبائے گردن جھکائے سیدھا چلتا گیا۔ آنسو اس کی آنکھ سے لڑھک کر ایک گال پر آیا تھا۔ "اے خبیث عورت تو نے کبھی کوئی ڈھنگ کا کام کیا بھی ہے" اس کے دماغ میں یہ دل سوز آواز ایک بار پھر گونجی تھی۔ سکول میں وہ غائب دماغ بیٹھا کھڑکی سے باہر خالی گراؤنڈ کو دیکھتا رہا تمام وقت وہ نڈھال سا بیٹھا رہا تھا اور پھر ویسے ہی بستہ کندھے پر ڈالے واپس آیا تھا۔ یہ اب اس کا روز کا معمول بن چکا تھا۔ وہ سکول میں سارا دن خاموش بیٹھا رہتا تھا اور اس نے کوئی دوست تک نہیں بنایا تھا۔ پڑھائی میں وہ شروع سے ہی قابل تھا اس کے زرا سی محنت سے پوزیشن آجاتی تھی۔ وہ نا صرف پڑھائی بلکہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بہت آگے تھا۔ وہ دس سال کی عمر سے تقاریر کرتا تھا۔ اس کے کمرے میں ایک دیوار صرف ٹرافیاں اور میڈل سے سجی تھی۔ مگر اب وہ بڑا ہو رہا تھا اس کی فکر کا مرکز اب اس کی ماں تھی۔ وہ اپنی ماں کے لیے بہت حساس تھا۔ گھر آیا تو کنڈی اب کھلی تھی اس نے اندر

جانے سے پہلے دو تین گہرے سانس لیے۔ پھر اپنی ہمت جمع کرتے ہوئے دروازہ کھولا اور اندر آ گیا۔ آتے ہی وہ دائیں بائیں دیکھے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا جب اسے وہ آواز سنائی دی۔

"ادھر آ منحوس کدھر جا رہا ہے تُو" اس کا گلا ایک دم سوکھ گیا تھا۔ اس کے بڑھتے قدم ساکت ہوئے تھے۔

اس نے آنکھیں میچ کر بہت سے آنسو اپنے اندر اتارے تھے۔ وہ واپس مڑ کر قدم قدم چلتا اس کے پاس آیا تھا۔ اس کی گردن جھکی تھی۔

"آ گیا تو پڑھائی میں تیر مار کر ہاں" اس نے نظروں کا رخ اپنے پاؤں کی طرف ہی رکھا تھا۔ "ہاں بول کدھر چھپایا ہے اپنی ماں کو" اس نے پہلو میں گرے ہاتھوں کی مٹھی بند کی تھی۔ اس کے گلے کی رگیں غصے سے ابھر آئیں تھیں۔

"بولتا ہے یا لگاؤں ایک" اس نے اب کہ نظریں اٹھا کر اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ "نہیں میں نہیں بتاؤں گا" تبھی اچانک اس کے منہ پر ایک زوردار تمانچہ پڑا اور وہ یک دک سا کھڑا رہا۔ وہ جانتا تھا اب یہی ہونا تھا۔

وہ کبھی اپنی ماں کو نہیں بچا پایا تھا۔ اس انسان نے اس کی اور اس کی ماں کی زندگی تباہ کر دی تھی۔ یہ اس لڑکے کا باپ تھا بدقسمتی سے۔ جوئے میں پیسے اڑا کر شراب کے نشے میں دھت جب وہ آتا تھا تو اپنی بیوی کو مارتا اور وہ اس کونے میں سیڑھیوں کی اوٹ میں بیٹھا سہارہتا۔ بے بس اور کمزور محسوس کرتا تھا۔ ماں اسے ہمیشہ شام کو چھت پر چلے جانے کا کہتی تھی جانتی تھی کہ نشے کی حالت میں اس کا باپ سیڑھیوں

کی طرف نہ جاتا تھا۔ مگر وہ اپنی ماں کی چیخوں کی آواز سے رہ نہ پاتا اور نیچے سیڑھیوں میں آ جاتا تھا مگر آگے وہ ڈر کے مارے ایک قدم بھی نہ بڑھا سکتا۔ اس کا باپ بے رحمی سے سلمہ کو مار رہا ہوتا تھا۔ اس معصوم کے سامنے یہ منظر تین سال کی عمر سے چل رہا تھا۔ آج وہ تیرہ سال کا ہو گیا تھا۔ جب سلمہ کی شادی رئیس سے ہوئی تھی تو سلمہ کے ماں باپ نے اسے زیور زمین اور بہت سے پیسے دیے تھے۔ وہ لوگ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ رئیس کے گھر والوں نے سلمہ اور اس کے والدین کو رئیس کی شراب اور جوئے کی لت سے بے خبر رکھا تھا اور ان کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ شادی کے بعد سے آئے دن وہ سلمہ سے بہانے بہانے سے رقم لے کر جاتا تھا اور اپنی تنخواہ سے واپس کرنے کا جھوٹ موٹ وعدہ کرتا تھا۔ ایسا کرتے کرتے اس کے سارے پیسے ختم ہو گئے تو وہ اب اس کے زیور چوری چھپے بیچنے لگا تھا۔ جب سلمہ نے اسے رنگے ہاتھوں زیور اٹھاتے ہوئے پکڑا تو وہ معافی مانگنے لگا کہ وہ مجبور ہے۔ پھر سلمہ کے والدین کی ایک حادثے میں وفات ہو گئی اور اس کے بعد سے وہ شیر بن گیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب تو مجبوری کے عالم میں سلمہ کو اسی کے ساتھ رہنا ہے۔ اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اس کے ماں باپ کے گھر کے کاغذات پر بھی زبردستی سلمہ کے سائن لے کر اس گھر کو بیچ کر اپنے دھندے میں لگا دیا۔ اب وہ اس کے سامنے ہی زیور لے جاتا وہ روکنے کی کوشش کرتی تو اسے مارتا اور تشدد کرتا۔ سلمہ کو وقت کے ساتھ ساتھ دمہ ہو گیا تھا جو اب ٹی بی کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ وہ اپنی بیماری سے لڑتی سلائی کڑاھی کر کے اپنے بیٹے کو گورنمنٹ سکول میں پڑھا رہیں تھیں۔ اس کا باپ اب دوسری شادی کر چکا تھا اور وہ ان کو اس گھر سے نکلنے کی دھمکیاں دیتا تھا۔ وہ آج پھر تین دن بعد آیا تھا اور اس سے اس کی ماں کا پوچھ رہا تھا۔ تیرہ سالہ حنان اپنی ماں کو اب چھت پر تالا لگا کر رہنے کا کہتا تھا کہ وہ ظالم انسان اس کی ماں تک نہ پہنچے۔ "میرے بیٹے کو چھوڑ دے رئیس" یہ آواز سلمہ کی

تھی۔ حنان کی ماں۔ بیٹے کو لگنے والے تھپڑ نے اس ماں کا دل لرزا دیا تھا۔ وہ رہ نہ سکی اور سامنے آگئی۔ حنان نے شکستہ حال ہو کر آنکھیں بند کیں تھیں۔ وہ اپنی ماں کو اس جانور صفت شخص سے نہیں بچا پایا تھا۔ رئیس ایک جھٹکے سے حنان کو دھکیلتا سلمہ کے پاس آیا اور اس کو بازو کی گرفت سے پکڑتا نیچے کھینچتا آیا۔

"کیا کر رہا ہے چھوڑ دے مجھے" سلمہ نے بازو چھڑانا چاہا تھا مگر رئیس کی گرفت اس کے بازو پر اس قدر مضبوط تھی کہ وہ چھڑوا نہیں پائی تھی۔

"میں اب مزید تیرا یہ منحوس وجود اس گھر میں نہیں دیکھ سکتا" وہ اسے گھسیٹتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ اب اس نے حنان کو کندھے سے زرا نیچے سے بازو کو پکڑا تھا اور پھر دونوں کو گھسیٹ کر گھر سے باہر نکالا تھا۔ انہیں دروازے کے پار دھکا دے کر سڑک پر پھینکا تھا۔ حنان اور سلمہ زمین پر جھٹکے سے جا گرے تھے۔ رئیس نے دروازہ اب پٹاخ سے بند کر دیا۔ سلمہ کراہ رہی تھی۔ حنان تیزی سے کھڑا ہوا اور سلمہ کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ پھر اپنی ماں کے آنسو اپنی آستین سے پونچھے۔

"آج رئیس نے ہمیں بے سہارا کر دیا حنان اب ہم کہاں جائیں گے" سلمہ نے بے بسی سے حنان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "امی ہم کہیں نہ کہیں چلے جائیں گے اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔ بس یہاں واپس کبھی نہیں آئیں گے۔ یہ شخص ظالم ہے یہ ہمیں مار دے گا امی" حنان نے سلمہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اور وہ قدم قدم چلتے سڑک پر آگے بڑھ رہے تھے۔

چلتے چلتے اب شام ہونے کو آئی تھی۔ شام میں جب دھند میں اضافہ ہونے لگا تو سلمہ کو سانس لینے میں ایک بار پھر دشواری محسوس ہوئی تھی۔ ان کو ایک دم کھانسی آئی تھی اور پھر کھانسی کا ایک دورانیہ چلا

تھا۔ حنان نے اپنی ماں کو پریشانی سے دیکھا تھا۔ اس کی ماں کو ٹی بی تھا جو وقت کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے قریب ہی ایک فٹ پاتھ پر سلمہ کو بٹھایا اور خود ساتھ والی دکان پر گیا۔

"آپ بتا سکتے ہیں کہ یہاں قریبی اسپتال کونسا ہے اور کہاں ہے۔" دوکاندار نے اسے ہسپتال کا پتہ دیا تھا۔ وہ اپنی ماں کے پاس آیا اور اسے بازو سے اٹھانے لگا۔ "امی بس تھوڑی سی ہمت کریں ہسپتال بس اس گلی میں ہے امی پلیز آپ ہمت نہ ہاریں" وہ روتا ہوا اپنی ماں کو سہارا دیتا چلتا جا رہا تھا۔

سلمہ ابھی تک کھانس رہی تھی اس کی کھانسی کی وجہ سے وہ اب آہستہ قدم آگے بڑھا رہی تھی۔ وہ سامنے کی گلی سے مڑ کر ابھی کچھ منٹ ہی چلے تھے جب بڑا سا ہسپتال کا بورڈ نظر آیا تھا۔

"پر بیٹا تُو علاج کے پیسے کہاں سے لے گا" اس کی ماں نے زور لگا کر کھانسی پر قابو پاتے ہوئے بولا تھا۔ اس نے اپنے آنسو صاف کر کے ماں کی طرف گردن اٹھائی تھی۔ "امی میں کہیں سے لے لوں گا کچھ بھی کر لوں گا پر آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گا" سلمہ کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں اس نے حنان کے سر اور چہرے پر پیار سے ہاتھ پھیرا تھا۔

شام اب گہری ہو رہی تھی۔ سورج اب مکمل طور پر ڈوب چکا تھا۔ وہ سفید فراک کے ساتھ فیری جیسے پنکھ لگائے اپنے بابا کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ فرحان صاحب اس کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑے چل رہے تھے اور اس کی ننھی ننھی انگلیاں فرحان صاحب کی ایک انگلی کے گرد جمیں تھیں۔ اور دوسرے ہاتھ میں وہ لولی پوپ لیے سامنے دیکھ رہی تھی۔

" بابا اچھے لوگ کون ہوتے ہیں؟ " اس نے اپنے بابا کو سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ فرحان صاحب نے جھک کر اسے دونوں کندھوں سے پکڑا۔ "بیٹا اچھے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں ،اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کی مدد کرتے ہیں" اس نے اپنے بابا کو چند پل دیکھا اود پھر اپنے دائیں طرف جس طرف وہ جارہے تھے اس طرف دیکھا۔ " بابا وہ لڑکا بھی اچھا انسان ہے نہ؟ " اس نے معصومیت سے اس طرف دیکھ کر اپنی ننھی انگلی سے اشارہ کیا تھا۔ فرحان صاحب نے اس طرف نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے اس کا ہاتھ نیچے کیا تو ننھی بچی نے سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا۔

"بیٹا ایسے اشارے نہیں کرتے ہیں بری بات ہوتی ہے " اس نے فرحان صاحب کو دیکھا اور پھر اوپر نیچے سر ہلایا۔ "اوکے بابا پر آپ دیکھیں تو صحیح وہ لڑکا کیسے اپنی ماما کو سہارا دے رہا ہے ان سے تو چلا بھی نہیں جارہا"

انہوں نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو وہ ایک بارہ تیرا سال کا لڑکا اپنی ماں کو ساتھ لیے ہسپتال کی طرف بڑھ رہا تھا اور اسکی ماں بہت زیادہ کھانس رہی تھی۔

" بابا اچھے لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں نہ ہمیں بھی ان کی مدد کرنی چاہیے " اس کے ننھے سے دماغ میں یہ فرشتوں جیسا کام آیا تھا۔ فرحان صاحب نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ " ہاں بیٹا ہمیں ضرور ان کی مدد کرنی چاہیے " اس نے اپنے بابا کی انگلی پر گرفت بڑھائی اور پھر آگے بڑھتے ہوئے فرحان صاحب کو آگے کی طرف کھینچا " جلدی چلیں نہ بابا وہ لڑکا بہت اداس لگ رہا ہے اس کی ماما بھی ٹھیک نہیں ہیں " وہ لوگ آگے بڑھ گئے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اس لڑکے کے پاس پہنچے تھے۔ حنان نے فرحان

صاحب کو اپنی طرف آتے دیکھا تھا مگر وہ اپنی امی کو بازو سے پکڑے آگے بڑھتا رہا تھا۔ جب وہ اس کے بلکل قریب آکر رکے تو حنان نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"بیٹا آپ کے ساتھ کوئی بڑا نہیں ہے؟" فرحان صاحب نے نہایت نرم لہجے میں کہا تھا۔ "ہاں آپ کے بابا کہاں ہیں جیسے میرے بابا ہیں" بچی نے اپنا لقمہ دیا تھا۔ "بیٹا بچے نہیں بولتے۔ آپ چپ رہو میں بات کر رہا ہوں نہ" انہوں نے اسے تنبیہ کی تو وہ او کے کہہ کر اچھے بچوں کی طرح چپ ہو گئی۔

حنان نے اپنی امی کو دیکھا تھا۔ وہ کھانس رہیں تھی۔ "بولو بیٹا میں آپ کی مدد کروں گا" فرحان صاحب نے نرم لہجے میں کہا تھا۔ "و۔۔وہ میری امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے" فرحان صاحب نے اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔

"میری امی کو ٹی بی ہے اور اسکے علاج کے لیے میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔" فرحان صاحب نے شفقت سے اس کو دیکھا تھا۔ "بیٹا میں ہوں نہ میں آپکی مدد کر سکتا ہوں" حنان نے پر امید تاثرات سے فرحان صاحب کو دیکھا تھا۔

"بیٹا آؤ امی کو اندر لے چلو میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں ان کا علاج ہو جائے گا تم پریشان مت ہو اور پیسوں کی فکر نہ کرو" حنان نے آنکھوں میں نمی لیے ان کو دیکھا تھا۔

وہ ننھی بچی بھی ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ وہ اب ہسپتال میں موجود تھے اور سلمہ کو ڈرپ لگنی تھی مگر ڈاکٹر بتا رہا تھا کہ انہوں نے آج صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ یہ سن کر وہ باہر ویٹنگ ایریا میں بیٹھے حنان کے پاس آئے۔

NOVEL IN URDU

"حنان آپ کی امی نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ کیا بات ہے بیٹا کیا آپ بھی ابھی تک بھوکے ہو؟" حنان جو سر دونوں ہاتھوں میں گرائے ہوئے تھا اب اس نے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"وہ جی امی اور میں نے کچھ نہیں کھایا کیسے کھاتے جب بے سہارا ہو گئے ہیں اب کہاں سے کھائیں گے" فرحان صاحب کو اس کی آواز میں لرکھڑاہٹ محسوس ہوئی تھی اور انہیں لگا کہ انہیں یہ سوال اس سے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"اچھا بیٹا تمہاری امی کو ڈرپ لگی ہے مگر ان کا کچھ کھانا ضروری ہے اور ڈاکٹر نے کچھ دوائیاں بھی لکھ کر دیں ہیں جو انہیں دینی ہیں۔ تو میں یہ جا کر لے آتا ہوں۔ یہ میری بیٹی کا خیال رکھنا آپ پلیز۔ پل میں آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے آگے ڈبل روڈ کروس کرنی پڑتی ہے اسی لیے اس کو نہیں لے کر جا رہا۔ زئی تنگ مت کرنا بڑے بھائی کو" وہ جو کوریڈور کی ٹائلوں کے ڈبوں میں اچھل اچھل کر کھیل رہی تھی فوراً اپنے بابا کی طرف دیکھا۔ "اوکے بابا" حنان بھی اس کی معصوم سی حرکتوں پر مسکرائے بنا نہ رہ سکا تھا۔ جب فرحان صاحب وہاں سے چلے گئے تو وہ خاموشی سے آکر حنان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کچھ پل ٹانگیں زور زور سے ہلا کر ہسپتال کا جائزہ لیتی رہی پھر حنان کو دیکھا۔ وہ سامنے دیوار پر ٹک ٹکی باندھے اپنی ہی سوچوں میں ڈوبا تھا۔ "آپ کے بابا کہاں ہیں؟" اس کے سوال پر حنان نے ایک دم سے دیوار سے نظریں ہٹائیں اور اسے دیکھنے لگا۔

"میرے بابا برے انسان ہیں انہوں نے مجھے اور میری امی کو چھوڑ دیا ہے" اس نے کہا تو اس کی آنکھ سے آنسو ایک گال پر لڑکا تھا۔ "ہاں میرے بابا نے مجھے اچھے لوگوں اور برے لوگوں کے بارے میں بتایا

ہے۔ میرے بابا نے بتایا ہے کہ برے لوگ مونسٹر ہوتے ہیں۔ تو کیا آپکے بابا مونسٹر ہیں؟" بچی نے معصومیت سے کیا تھا مگر حنان کو اس سے بہتر لقب اپنے باپ کے لیے اور کوئی نہیں لگا تھا۔

"ہاں ایسا ہی سمجھ لو۔ تمہارا نام کیا ہے؟" حنان سے کچھ دیر کی بات نے ہی حنان کو اس کا دلدادہ بنا دیا تھا۔ وہ تو بلکل کوئی معصوم فرشتہ تھی۔ "میرا نام گلنار زہرا ہے" حنان نے پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ بچی اپنی ان سرمئی آنکھوں کے ساتھ جتنی حسین تھی اسکا نام بھی اس کی طرح اتنا ہی حسین تھا۔

"بہت پیارہ نام ہے آپکا" حنان نے مسکرا کر کیا تھا تو گل نے منہ پر شرما کر ہاتھ رکھا تھا۔

"آپکو پتہ ہے بابا کہتے ہیں جب میں پیدا ہوئی تھی نا میری ماما اللہ میاں کے پاس چلیں گئیں تھیں اور بابا اداس ہو گۓ تھے مگر انہوں نے جب میری آنکھیں دیکھیں تو اداسی دور ہو گئی تھی کیونکہ میری آنکھیں بلکل میری ماما پہ گئیں تھیں۔ بابا کہتے ہیں کہ انکو جب بھی ماما یاد آتی ہے تو وہ میری آنکھیں دیکھ لیتے ہیں" حنان کو اب اس کی باتیں اچھی لگ رہی تھیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بولتی رہے اور حنان اسے سنتا رہے۔

"آپکی آنکھیں لائٹ براؤن ہیں آپکی ماما جیسی ہے نا" اس نے خود ہی کہا تھا۔ حنان کی آنکھیں بلکل سلمہ جیسی ہلکی بھوری تھیں۔ حنان نے مسکرا کر ہاں میں سر ہلایا تھا۔ اتنی دیر میں فرحان صاحب دور سے پھل اور چند ادویات لیے ہسپتال کے داخلی راستے سے اندر آۓ تھے۔ "ہاں بھئی کیا باتیں ہو رہیں ہیں تنگ تو نہیں کیا اس نے تمھیں؟" حنان نے مسکرا کر سر جھکایا۔ "نہیں انکل آپکی بیٹی بہت پیاری باتیں کرتی ہے آپ نے اس کی بہت اچھی تربیت کی ہے" فرحان صاحب نے مسکرا کر حنان کو دیکھا تھا۔ "تمہاری تربیت بھی بہت اچھی ہوئی ہے بیٹا اس بات کا اندازہ مجھے تمہیں پہلی نظر دیکھ کر ہی ہو گیا تھا۔"

کچھ دیر بعد سلمہ کو ڈرپ لگ چکی تھی باہر اب اندھیرا ہو چکا تھا اور سردی اپنے زوروں پر تھی۔

"بیٹا اب آپکی امی کی طبیعت بہتر ہے۔ ہم آپ دونوں کو آپکے گھر ڈراپ کر دیتے ہیں" فرحان صاحب نے خلوص سے کہا تھا۔ حنان نے سر جھکا لیا تھا۔ "نہیں انکل آپ کا بہت شکریہ آپ نے ہماری اتنی مدد کی ہے۔" فرحان صاحب کے تین چار بار اسرار پر حنان کو بتانا پڑا تھا کہ اس کے باپ نے ان کے ساتھ کیا کیا تھا اور وہ بے گھر ہو گئے ہیں۔ فرحان صاحب نے افسوس سے ان دونوں ماں بیٹے کو دیکھا تھا۔ انہوں نے حنان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔فرحان صاحب بہت مان سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ اسے لگا تھا جیسے وہ رئیس کا نہیں بلکہ ان کا سگا بیٹا ہو۔

"آپ بیٹا ہمارے گھر چلو ہمارے ساتھ" حنان نے سر ہلایا تھا جیسے وہ اس سے متفق نہ ہو۔ "انکل آپ کا بہت شکریہ مگر یہ صحیح نہیں ہے ہم آپ کے گھر کیسے جا سکتے ہیں" فرحان صاحب نے اس کے کندھے سے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا۔

"ضد مت کرنا آپ کو ایسے یہاں بے یارومددگار چھوڑ کر جانا غلط ہو گا اور اس سے میرا دل مطمئن نہیں ہے" فرحان صاحب نے اسرار کیا تھا۔

"انکل لیکن ہم کب تک آپ کے سر پر بوجھ بن کر رہیں گے آخر ایک دن تو مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا نا" فرحان صاحب نے اس بار اسے دونوں کندھوں سے بلکل اسی طرح پکڑا جیسے وہ گل کو پکڑتے ہیں اور اسے سمجھایا۔

"بیٹا تم بلکل ٹھیک ہو مگر ابھی تم اس قابل نہیں ہوئے اسی لیے ابھی تم ہمارے ساتھ رہو میں تمہاری امی کا علاج اور تمہاری تعلیم کا خرچہ اٹھاؤں گا اور میں وعدہ کرتا یوں کہ جیسے ہی تم اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جاؤ گے میں تمہیں خود جانے دوں گا اور تب تم ہمارا سارا قرض ادا کر دینا ٹھیک ہے۔" حنان نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"یہ ہوئی نہ بات اب چلو گاڑی آتی ہی ہو گی۔

" حنان اب اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر گویا اسے فرحان صاحب کی بات ماننے کا کہہ رہی تھی۔ پھر وہ اپنی ماں کو سہارا دیتا باہر آگیا۔ باہر ڈرائیور اب گاڑی لے آیا تھا۔ حنان نے سلمہ بی کو گاڑی میں ایک طرف بٹھایا تھااور خود دوسری طرف سے جا کر بیٹھ گیا۔ گلنار آگے کی سیٹ پر فرحان صاحب کی گود میں بیٹھی تھی۔ جب حنان نے اپنی طرف کا دروازہ بند کیا تو گل نے اس کی جانب پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ حنان نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھے مسکرا رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھی اور اس کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ حنان اب اس کے گھر رہے گا۔ گاڑی اب اپنے راستے پر رواں دواں تھی۔

فرحان صاحب کی بڑی سی کوٹھی اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے باہر سڑک پر کہیں کہیں گاڑیوں کی آمد و رفت بھی جاری تھی۔ ناشتے کی ٹیبل پر فرحان صاحب بیٹھے آج کی اخبار کھولے اس کی سرخیاں دیکھ رہے تھے۔

" نازو بی جا کر دیکھیں زئی جاگی ہے یا نہیں اور وہ ساتھ کے کمرے میں ہمارے مہمان ہیں نوک کر کے پوچھ لیجئے گا کہ وہ ناشتہ یہاں کریں گے یا پھر کمرے میں" نازو بی نے سر جھکا کر حکم کی تعمیل کی تھی۔

نازو بی ان کی بہت پرانی ملازمہ تھی جو کہ فرحان صاحب کی شادی سے بھی پہلے جب ان کے والدین حیات تھے تب سے ان کی خدمت کرتیں تھیں۔ ان کے تقریباً بیس سال اس خاندان کی خدمت میں گزرے تھے۔ فرحان صاحب کو گل کے معاملے میں صرف نازو بی پر ہی بھروسا تھا۔ فرحان صاحب جب نوکری پر ہوتے تو گل کو جگانا ناشتہ کرانا سکول لے جانا واپس لانا یہ سب زمے داری نازو بی کی تھی۔ گل بھی انہیں سے سب سے زیادہ مانوس تھی۔ وہ ان کو اپنے سکول کی کہانیاں سناتی۔ ان کے ساتھ ساتھ پورے گھر میں گھومتی رہتی۔ وہ جو بھی کام کر رہیں ہوتیں تھی گل ان کے ساتھ جا جا کر ان سے سوالات کے ڈھیر لگا دیتی تھی۔ اس کی وجہ سے اکثر نازو بی کو کچھ کام بھول جاتے اور جب فرحان صاحب کو پتہ چلتا تو وہ نازو بی اور گل دونوں کی ایک ساتھ کلاس لیتے تھے۔ نازو بی گلنار کے کمرے میں آئیں تو وہ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ سو نہیں رہی تھی بلکہ اپنے پرنسز مرر کے سامنے بیٹھی اپنے بالوں کی لٹ پکڑے کوئی ہیئر سٹائل بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ گل کو بچپن سے ہی شہزادیوں کی کہانیاں سننا بہت پسند تھا۔ اس کے کمرے میں ہر ایک چیز پرنسز تھیم میں سجی تھی۔ اس کی واڈروب میں تمام تر کپڑے بھی پرنسز تھیم کے تھے۔ اس کے پاس سنڈریلا ایریل بیلے ریپنزل اور بہت سی شہزادیوں جیسے ڈریسز تھے۔ وہ ان تمام کہانیوں کو بڑے غور سے پڑھتی تھی۔ ہر کہانی میں ایک شہزادہ آ کر شہزادی کو بچاتا ہے اور شہزادے کے ساتھ اس کی ہیپی اینڈنگ ہوتی ہے۔ وہ ان کہانیوں کی فین تھی۔ نازو بی اسے دیکھ کر مسکرائیں تھیں۔ وہ کل والے کپڑوں میں ہی بیٹھی تھی۔ "گل آج تو آپ میرے جگانے سے پہلے ہی جاگ گئیں ہیں" نازو بی نے کہا تو گل نے ان کی طرف دیکھا بالوں کی لٹ ابھی تک اس نے پکڑی ہوئی تھی۔

"نازوبی آج آپ جائیں۔آج میں خود ہی تیار یوں گی" نازوبی اس کا بستر سیدھا کرتی اب تکیے لگا رہیں تھیں۔

"بیٹا آپ کو تیار ہونا نہیں آتا میں آپ کو اچھا سا تیار کر دیتیں ہوں "اس نے اکتا کر نازوبی کو دیکھا تھا۔

"نہیں نا نازوبی آج حنان آیا ہے مجھے اچھے سے تیار ہونا ہے" نازوبی نے اس کو حیرت زدہ آنکھوں سے دیکھا تھا۔

"بیٹا آپ کو کسی دوسرے کے لیے تیار نہیں ہونا چاہیے ہاں ابھی تو آپ بچی ہو مگر آپ ایک بیٹی ہو اور بیٹیاں نا محرم کے لیے تیار نہیں ہوتیں

" وہ اپنی ڈریسنگ چیئر سے اتر کر نازوبی کے پاس آئی تھی۔" نا محرم کیا ہوتا ہے بی "اس نے آنکھوں میں معصومیت لیے پوچھا تھا۔

" نا محرم وہ مرد ہوتے ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے نہ ہی ان کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق ہوتا ہے" گل نے ایک انگلی دائیں گال کے تھوڑا نیچے رکھ کر کچھ سوچا تھا۔ "یعنی جو ہماری فیملی کے نہ ہوں ہے نا" اس نے بہت سمجھداری سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں ایسا ہی ہے"پر وہ بھی گلنار تھی وہ ایک قدم آگے سوچتی تھی۔ "پھر تو میں تیار ہو سکتی ہوں کیونکہ بابا نے کہا ہے کہ حنان ہماری فیملی ہے

"اور بی سر پیٹتی رہ گئیں تھیں۔انہوں نے سوچا کہ ابھی وہ چھوٹی ہے جب بڑی ہو گی تو سمجھ جائے گی۔

"چلو آؤ شاباش آج تمہیں یہ ڈریس پہناتی ہوں۔ سنڈریلا تمہاری فیورٹ ہے نا" بی جان نے اس کی الماری سے نیلے رنگ کا فراک نکال کر اسے دکھایا تھا۔اس نے فوراًہی ہامی بھر لی تھی۔ نازو بی نے اب ساتھ والے کمرے کا دروازہ بجایا تھا۔ حنان فوراًہی باہر نکلا تھا۔

"وہ بڑے صاحب پوچھ رہے ہیں کہ آپ نیچے آکر ناشتا کریں گے یا اوپر کمرے میں ہی بھجوا دیں؟ " حنان نے پیچھے بستر پر لیٹی سلمہ کو دیکھا تھا

"کون ہے بیٹا؟ "انہیوں نے حنان سے پوچھا تھا۔

"وہ پوچھ رہے ہیں کہ ہم ناشتا کہاں کریں گے۔امی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو میں کمرے میں ہی بھجوانے کا کہہ دوں؟" سلمہ بی سیدھی ہو کر بیٹھیں "نہیں بیٹا اچھا نہیں لگتا ان کے اتنے احسان ہیں اور ہم اتنی بے رخی دکھائیں۔ نیچے چلتے ہیں میں نے پوری رات آرام کیا ہے اب میں ٹھیک ہوں" حنان نے سر ہلایا۔

"ہم نیچے آکر ہی کریں گے" نازو بی نے سر جھکایا اور پھر گل کے کمرے میں آئیں تو وہ اب کپڑے بدل چکی تھی۔ انہوں نے اس کو کنگھی کی اور پھر میچنگ شوز پہنائے۔ وہ اب بلکل تیار کھڑی تھی۔ نازو بی اسے لیتیں اب نیچے اتر رہیں تھیں۔

"بابا" گل تیزی سے بھاگتے ہوئے فرحان صاحب کے پاس آئی تھی۔اور پھر ان کے گلے لگنے کے لیے بازو پھیلائے تو فرحان صاحب تھوڑا نیچے جھکے تا کہ وہ ان کے گلے لگ سکے۔ پھر وہ ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد حنان اور سلمہ بی بھی نیچے آگۓ تھے۔ یہ ڈائننگ ٹیبل تھی جس کی

مرکزی کرسی پر فرحان صاحب بیٹھے تھے اور ان کے دائیں اور بائیں طرف باقی کرسیوں کی قطار لگی تھیں۔ گل انکے ساتھ دائیں طرف والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ حنان نے آگے بڑھ کر سلمہ بی کے لیے دائیں طرف کی دوسری کرسی نکالی تھی۔ سلمہ بی نے آگے بڑھ کر اس پر بیٹھتے ہوئے انہیں سلام کیا تھا۔اب پہلی کرسی نکال کر حنان اس پر بیٹھ چکا تھا۔

" سلمہ بی اور حنان آپ لوگ آرام سے تو سوئے تھے نہ کل رات کو۔ کوئی دقت ہوئی ہو ضرور بتائیں" حنان نے سر ہلایا تھا ساتھ ہی سلمہ بی بولیں تھیں۔

" نہیں جی آپ لوگوں کا تو بہت احسان ہے کہ اس مشکل وقت میں آپ لوگوں نے ہمیں اپنی چھت تلے رکھا ہے" سلمہ بی نے بہت ہی احسان مند انداز میں کہا۔ " جی انکل ہم تو شکر گزار ہیں کہ ہمیں آپ کے جیسا اچھا انسان ملا ہے" فرحان صاحب ان کی بات پر مسکرائے

" بیٹا یہ سب تو اللہ کی طرف سے تھا میں تو صرف ایک وسیلہ تھا" اور پھر سامنے سے پلیٹ ان کی طرف بڑھائی جو حنان نے آگے بڑھ کر لی تھی۔ انہوں نے کھانا کھانے سے پہلے گل کو دیکھا تو وہ بیٹھی خالی پلیٹ میں چمچ سے کھیل رہی تھی۔ ان کو اچانک یاد آیا کہ آج انہوں نے اس کے ڈریس تھیم کے بارے میں نہیں پوچھا تھا اور وہ اب ناراض تھی۔ فرحان صاحب نے کھنگار کر اس کو اپنی طرف متوجہ کروایا مگر اس نے اوپر نہیں دیکھا تھا۔

" میری پیاری سی بیٹی نے آج کونسی شہزادی کا کوز پلے کیا ہوا ہے" اس نے چمکتی آنکھوں سے فرحان صاحب کو دیکھا تھا۔ وہ اس بارے میں نہیں بھولے تھے۔ اس نے سوچا تھا۔ " بابا آپ کو پتہ ہے آج میں سنڈریلا بنی ہوں" فرحان صاحب اس کو دیکھ کر مسکرائے تھے۔

"ویسے میں جس شہزادی کو جانتا ہوں نہ وہ سنڈریلا سے زیادہ پیاری شہزادی ہے۔" اس نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔ "بابا آپ کو بھی شہزادیوں کے بارے میں پتہ ہے؟" گل نے خوشگوار حیرت سے ان سے پوچھا تھا۔ "ہاں نہ وہ شہزادی سب سے زیادہ پیاری ہے" اب تو گل کو چین نہیں آرہا تھا کہ بابا اسے اس شہزادی کا نام بتائیں۔

"بابا اس کا نام کیا ہے اس کی پکچر بھی دیکھائیں نہ" اس نے منت کے سے انداز میں کہا تھا۔ "اس کا نام ہے شہزادی گلنار" اس نے اپنا نام سنا تو کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

حنان دوسری طرف بیٹھا ان باپ بیٹی کی باتوں پر رشک کر رہا تھا۔ سلمہ بھی ان کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ "بابا وہ تو میں ہوں نہ" فرحان صاحب نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تھا۔

"ہاں وہ میری بیٹی ہے دنیا کی سب سے پیاری شہزادی۔" وہ جو چمچ سے کھیل رہی تھی اب ایک دم سے سیدھی ہوئی تھی۔

"بابا شہزادی کے لیے شہزادہ آتا ہے نہ" فرحان صاحب نے چائے کا گھونٹ بھرا اور ہھر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں بیٹا جب وہ بڑی ہو جاتی ہے تو ایک شہزادہ آتا ہے جو اسے لے جاتا ہے" اس نے پہلے تو برا سا منہ بنایا پھر حنان کی طرف دیکھا۔ حنان جو سینڈوچ کھا رہا تھا اس کی نظریں محسوس کیں تھیں۔ حنان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ گل مسکرائی تھی پر حنان کو سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ کیوں اسے دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔

"بابا پر میرا شہزادہ تو آگیا ہے ابھی ہی" فرحان صاحب جو اخبار پڑھنے میں مصروف تھے اب اس کو نا سمجھی سے دیکھنے لگے۔ "میرا شہزادہ تو حنان ہے" اور فرحان صاحب کی مسکراہٹ ایک دم سے غائب ہوئی تھی۔ یہ ان کی بیٹی کیا سیکھ رہی تھی ایسی تربیت نہیں تھی گل کی "زئی خبردار جو آئندہ ایسی کوئی بات کی ہو تو" وہ جو بہت ہی خوش ہو کر اپنے بابا کے جواب کی منتظر تھی ان کے جھڑکنے پر اداس ہوئی تھی۔

"لیکن بابا ابھی آپ نے ہی کہا تھا کہ میں شہزادی ہوں اور شہزادی کے لیے ایک شہزادہ آتا ہے تو حنان بھی تو میرا شہزادہ ہو سکتا ہے وہ تو اتنا اچھا ہے اس کی آنکھیں بھی کتنی پیاری ہیں بابا مجھے تو حنان پسند ہے"

فرحان صاحب نے اب اخبار ایک طرف رکھا تھا سلمہ بی اور حنان خاموشی سے بیٹھے تھے۔ جب ایک تھپڑ گل کو اچانک ہی پڑا تھا۔ وہ معصوم بچی اس تھپڑ کی تاب نہ لا سکی تھی اور کرسی سی نیچے گرنے کو تھی جب نازو بی نے آکر اسے سہارا دیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو گال ہر سے ٹپک کر ٹھوڑی تک جا رہے تھے۔ ماحول میں تناؤ آیا تھا۔ سلمہ بی اور حنان کچھ نہ بول پائے تھے وہ کیسے بول سکتے تھے۔ فرحان صاحب اب کرسی کھینچ کر کھڑے ہوئے اور پھر باہر کی طرف بڑھ گ ئے۔ حنان کو یہ سب بہت برا لگا تھا۔ گل اب اپنے آنسو صاف کرتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔ حنان نے گردن موڑ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسے اس معصوم سی بچی پر ترس آیا تھا۔ "امی آپ چلیں کمرے میں" اس نے کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے سلمہ بی سے کہا تھا۔ پھر ان کو کمرے کی طرف لے کر گیا تھا۔ حنان کو گل کا وہ روتا چہرہ ابھی تک انکھوں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ وہ بیڈ کی ایک طرف بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی

امی کی طرف دیکھا تو وہ سو گئیں تھیں۔ انہوں نے ناشتے کے بعد دوائی لی تھی جس کی وجہ سے ان کو نیند آ گئی تھی۔ حنان کو جب تسلی ہوئی کہ سلمہ بی اب پر سکون سو رہیں ہیں تو وہ ان کی سائڈ سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ پھر گل کے کمرے کا دروازہ نوک کیا۔

" بابا آپ چلے جائیں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی " دروازے کے پار سے گل کی دبی دبی سی آواز آئی تھی۔

" م۔۔ میں ہوں حنان " گل نے حنان کا نام سنا تو فوراً دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔

حنان نے گل کی طرف دیکھا تو رو رو کر اس کی ناک اور آنکھیں سرخ ہو رہیں تھیں۔

" میں اندر آ سکتا ہوں ؟ " حنان نے بہت آہستہ سی آواز میں کہا تھا۔

گل نے دروازہ کھول دیا اور خود ایک طرف ہو کر حنان کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ حنان اندر آ گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے اندر آ گئ تھی۔ اب حنان اس کے بیڈ کے ساتھ پڑے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ گل اس کی طرف رخ کئے بیڈ پر بیٹھ گئ تھی۔ وہ نہایت سنجیدہ سی اپنی عمر سے بڑی بڑی لگ رہی تھی۔

" گل آپ اپنے بابا سے ناراض ہو ؟ " حنان نے بہت سوچنے کے بعد یہ سوال کیا تھا۔

" میرے بابا برے ہو گئے ہیں انہوں نے مجھے مارا ہے " وہ بولی تو اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

" زور سے لگا تھا تھپڑ " حنان نے سرگوشی سے ذرا سا اونچی آواز میں کہا تھا۔ گل نے سر اوپر نیچے ہلایا تھا۔

نظریں جھکائے وہ اپنے پہلو میں گرے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے نہ آپ کے بابا بہت اچھے انسان ہیں۔آج اگر آپ پہلی بار بات سمجھ جاتی تو ان کو غصہ نا آتا اور وہ آپ کو نہ مارتے" گل ابھی تک نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ وہ بہت لاڈلی تھی اور فرحان صاحب اس پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ مگر آج انہیں لگا تھا کہ ان کی بیٹی کی تربیت غلط سمت میں جا رہی تھی اور وہ تھپڑ اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا تاکہ وہ جان لے کہ یہ غلط ہے۔ حنان کو فرحان صاحب کا مارنا غلط نہیں لگا تھا مگر اسے اس بچی کے آنسوؤں سے تکلیف ہوئی تھی۔

"گل ادھر دیکھو میری طرف" گل نے آہستہ سے سر اوپر اٹھا کر حنان کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ تو اچھی بچی ہو نا آئندہ اپنے بابا سے ایسا کچھ نہیں کہو گی اوکے" اس نے مسکرا کر اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کیئے۔

"ہاں میں نہیں کہوں گی مگر پھر آپکو ایک پرومس کرنا ہو گا۔ آپ روز میرے ساتھ ایک گھنٹہ کھیلیں گیں" حنان نے اس کو مسکراتا دیکھا تو وہ بھی مسکرا دیا۔ "ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ کھیلوں گا اور آپ اپنے بابا کو تنگ نہیں کریں گی ٹھیک ہے نہ" گل نے سر ہلایا تھا۔

شام کو جب فرحان صاحب گھر واپس آئے تو نازو بی سے گل کے بارے میں پوچھا۔انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے کمرے میں ہے۔ وہ سیدھا اوپر آگ ئے تھے۔ صبح والے واقعے کے بعد ان کا دل سارا دن بے چین رہا تھا۔ انہوں نے کبھی بھی آج تک اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا مگر اب وہ بڑی ہو رہی تھی اسے اچھے برے کا پتہ چلنا بہت ضروری تھا۔انہوں نے دروازہ نوک کیا اور پھر انتظار کرنے لگے۔

"زئی میری پیاری بیٹی دروازہ کھول دو پلیز اچھا آئم سوری بیٹا" انھوں نے ابھی آدھی بات ہی کہی تھی کہ گل نے فوراً دروازہ کھولا۔

"بابا مجھے سمجھ آگئی ہے میں نے بدتمیزی کی تھی نا اب میں آئندہ ایسے نہیں کروں گی" فرحان صاحب اس کی سمجھداری پر حیران ہوئے تھے۔

"میری بیٹی تو بہت سمجھدار ہو گئی ہے" انھوں نے جھک کر اس کی گال کو پیار سے چھوا تھا۔

"ہاں بابا حنان نے مجھے سمجھایا ہے تو مجھے فوراً سمجھ آگئی تھی" فرحان صاحب نے مسکرا کر ساتھ والے کمرے کے دروازے کو دیکھا تھا۔ انہیں فوراً کچھ یاد آیا تھا۔

"نازو بی کھانا لگوا دیں اور حنان لوگوں سے کہیں کہ وہ بھی نیچے آجائیں" "جی بہتر" نازو بی کہتی نیچے کچن کی طرف بڑھ گئیں تھیں۔ شام کے کھانے کے وقت وہ سب لوگ اب آچکے تھے۔ تبھی فرحان صاحب نے حنان کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے اپنا کھانا کھا رہا تھا۔

"حنان بیٹا آپ سے ایک بات پوچھنی تھی" حنان نے فوراً سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ "جی انکل کہیے" اس نے کہا تو فرحان صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"بیٹا آپ سے مجھے آپ کی رائے لینی تھی جس سکول میں زئی پڑھتی ہے میں آپ کا ایڈمیشن وہاں کروا دوں یا پھر آپ کہیں اور جانا چاہتے ہو" حنان نے سلمہ کو دیکھا تھا تو انہوں نے آنکھیں بند کر کے اسے تسلی دی تھی گویا کہ جو وہ منتخب کرے۔ "انکل جیسا آپ کو ٹھیک لگے" اب فرحان صاحب مسکرا دیے

تھے۔ ٹھیک ہے بیٹا پھر کل سے ڈرائیور آپ کو اور زئی کو ایک ساتھ لے جایا کرے گا" حنان نے ان کی بات سمجھ کر سر ہلا دیا تھا۔

صبح کو جب حنان کی آنکھ کھلی تو سلمہ بی سامنے جائے نماز پر بیٹھی تھیں۔ اس نے سامنے گھڑی پر وقت دیکھا تو ساڑھے چار ہو رہے تھے۔ وہ فوراً بستر سے اتر کر وضو کرنے چلا گیا۔ واپس آکر اس نے سلمہ بی سے اجازت لی اور نیچے آگیا۔ فرحان صاحب سر پر سفید ٹوپی کیے تسبیح جیب میں ڈالے باہر نکل رہے تھے جب انہوں نے نیچے آتے حنان کو دیکھا تھا۔ وہ اس کے لیے رک گئے تھے۔ حنان اب نیچے آ چکا تھا۔

"آؤ بیٹا بہت اچھا لگا یہ دیکھ کر کہ تم بھی نماز مسجد میں پڑھتے ہو" حنان اب ان کے ساتھ ساتھ قدم بڑھا رہا تھا۔ وہ لوگ اب روڈ پر نکل آئے تھے۔

"انکل دراصل کافی عرصہ سے میں مسجد نہیں جا پا رہا تھا جس کا مجھے بہت دکھ تھا۔ آج میں نے سوچا کہ میں اپنے ٹائم ٹیبل کو پھر سے پہلے جیسا الائن کروں۔ مجھے یہاں کے راستوں کا نہیں پتہ تھا پھر میں نے سوچا کہ باہر تو نکلوں اللہ کی راہ میں نکلنے والے قدموں کو راستہ خود بہ خود ہی مل جاتا ہے" فرحان صاحب اس کی بات سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

"ماشاءاللہ حنان تم تو بہت ہی سمجھدار ہو" وہ سر جھکا کر مسکرایا تھا۔ اس کو ایسا لگا تھا جیسے اس کے باپ نے اس کی تعریف کی ہو۔ وہ لوگ نماز پڑھ کر جب واپس آئے تو گل اب یونیفارم پہنے نازو بی کے ساتھ نیچے آ رہی تھی۔

"بیٹا تمہارا یونیفارم میں لے ایا تھا نازو بی نے تمہاری الماری میں رکھا یوگا جاؤ تم بھی تیار ہو جاؤ" فرحان صاحب نے حنان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

"جی ٹھیک ہے انکل" وہ کہہ کر اب اوپر چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ تیار ہو کر نیچے آیا تو گل اور فرحان صاحب اب ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔

"بیٹا اب آپ کی والدہ کیسی ہیں؟" انہوں نے حنان سے پوچھا تھا۔ "جی وہ بہتر ہیں اب الحمدللہ ابھی سو رہیں تھیں اسی لیے میں نے ان کو جگانا مناسب نہیں سمجھا" اس کے بعد سب خاموشی سے ناشتہ کر رہے تھے۔ فرحان صاحب اب گاڑی باہر نکال رہے تھے انہوں نے حنان اور گل کو آج خود سکول چھوڑنا تھا۔

"زئی حنان بیٹا آپ دونوں جلدی آ جاؤ دیر ہو جائے گی" گل جلدی سے اپنا ٹرالی بیگ لیتی آگے بڑھ گئی تھی۔ حنان نے بھی ناشتہ کر لیا تھا اور اب وہ ساتھ والی کرسی سے بیگ اٹھاتا گل کے پیچھے باہر نکل آیا تھا۔ گل اگلی سیٹ پر بیٹھ گئ تھی اور نازو بی نے اس کا بیگ سیٹ کر دیا تھا۔ حنان پچھلی سیٹ پر خاموشی سے بیٹھ گیا تھا۔ حنان کی زندگی کی نئ شروعات ہونی تھی آج۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب دل لگا کر پڑھے گا اور پھر ایک دن اپنے پیروں پر کھڑا ہو گا۔ وہ جب اس قابل ہو جائے گا تو فرحان صاحب کے تمام احسانات کا بدلہ بھی اتار دے گا۔ وہ اپنی امی کے لیے ایک اچھا سا گھر بنوائے گا۔ اپنی امی کی زندگی سے ان تلخ یادوں کو نکال دے گا۔ وہ آج اسی سوچ کے ساتھ نئے سکول جا رہا تھا۔ سکول میں جب وہ اپنی کلاس میں گیا تو ٹیچر نے تمام بچوں سے اس کا تعارف کروایا تھا۔ اور پھر ٹیچر نے اسے ایک بچے کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے کا کہا تھا۔ اس بچے نے حنان کو اپنا نام بتایا۔ پھر اسے جو کلاسز اب تک ہوئیں تھیں ان کی

تفصیل بتا رہا تھا۔ اس سے حنان کی پہلے دن ہی دوستی ہو گئی تھی۔ اب حنان کو اس سکول میں اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ پڑھائی میں ہمیشہ کی طرح اس کلاس میں بھی سب سے آگے تھا۔ ٹیچرز اس کی تعریف کرتے تھے۔ وہ کلاس کا مانیٹر بھی منتخب ہو گیا تھا۔ فرحان صاحب اس کی کارکردگی سے بہت خوش تھے۔ گلنار بھی ہمیشہ اپنی کلاس میں فرسٹ آتی تھی۔ وہ تھری میں تھی اور سالانہ امتحانات اب ہونے ہی والے تھے۔ حنان اور وہ ایک ساتھ بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ حنان گل کی ہوم ورک اور ٹیسٹ میں مدد کرتا رہتا تھا۔ امتحانات کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ وہ دونوں باقاعدگی سے امتحانات کی تیاری کر رہے تھے۔ ایسے میں فرحان صاحب آفس میں مصروف رہتے تھے۔ ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ اب ان کا اینول فنکشن تھا جس میں امتحانات کے نتائج کا بھی پتہ چلنا تھا۔

" بابا کل آپ کو ہمارے ساتھ جانا ہو گا میرا اور حنان کا رزلٹ ہے کل " انہوں نے اخبار فولڈ کر کے سامنے میز پر رکھی۔

" ٹھیک ہے بیٹا میں کل آپ کے ساتھ چلوں گا " انہوں نے گل کو پیار کرتے ہوئے کہا تھا۔ " ویسے تو میں جانتا ہوں کہ تم دونوں نے ہمیشہ کی طرح ٹاپ کیا ہو گا " حنان جو ساتھ والے صوفے پر سلمہ کے ساتھ بیٹھا تھا مسکرایا تھا۔

اگلے دن گل نازو بی کے ساتھ کپڑوں پر بحث کر رہی تھی۔ " نازو بی میں نے وائٹ فروک پہننا تھا یہ تو ریڈ ہے

" نازو بی نے پریشان ہو کر اسے دیکھا تھا۔ " بیٹی وہ تو ابھی ڈرائے کلیننگ سے واپس نہیں آیا ہے " اس نے منہ پھلایا ہوا تھا " تو نازو بی آپ لے کر آئیں نہ آپکو پتہ ہے وہ میرا فیورٹ ہے " نازو بی نے جھک کر

اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "بیٹا وہ تو شام کو آئے گا نا آپ یہ ڈریس پہنو گی تو اس میں بلکل لال پری لگو گی" لیکن وہ تو بضد تھی کہ اس نے سفید ہی پہننا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازے پر نوک ہوا تو نازو بی نے دروازہ کھولا۔ سامنے حنان کھڑا تھا۔

" نازو بی گل تیار ہو گئی ہے کیا؟ " انہوں نے اندر کھڑی گل کو دیکھا تھا جو سینے پر بازو باندھے منہ پھلائے ہوئے تھی۔

حنان نے گردن آگے کر کے ان کے نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟ " حنان نے رازداری سے نازو بی سے پوچھا تھا۔ "حنان صاحب دیکھیں نا یہ ضد کر رہی ہے کہ اسے سفید فروک پہننا ہے جبکہ وہ ابھی دھلا نہیں ہے، آپ اسے سمجھائیں نا کہ یہ لال والا پہن لے " حنان سر جھکا کر مسکرایا تھا۔

" ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں اسے " نازو بی کو فرحان صاحب نے آواز دی تو وہ ان کے کسی کام سے چلیں گئیں۔ وہ اندر آیا تو گل اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

" کیا ہوا ہے آپ کو کونسا ڈریس پہننا ہے؟ " حنان نے نرمی سے پوچھا تھا۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں خفگی آئی تھی۔

" دیکھیں نہ مجھے وائٹ ڈریس پہننا تھا لیکن نازو بی نے وہ ڈرائی کلین کرنے کے لیے دے دیا ہے " حنان نے اس کی انکھوں میں خفگی دیکھی پھر کچھ سوچنے لگا۔

"آپ کو پتہ ہے ریڈ کلر تو میرا فیورٹ ہے لیکن میں تو لڑکا ہوں ریڈ کلر نہیں پہن سکتا اب میں کیا کروں" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔ "ہاں تو ٹھیک ہے نہ میں آج ریڈ ڈریس پہن لیتی ہوں" اس نے سر جھکایا ہوا تھا پھر جب گل نے یہ کہا تو اس نے فوراً اوپر دیکھا۔

"آپ پہنو گی مطلب میری بیسٹ فرینڈ، پھر تو مجھے بہت اچھا لگے گا" اس نے اس کی سرمئی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "ہاں ٹھیک ہے میں اب ریڈی ہو جاتی ہوں" اور پھر وہ باہر چلا گیا۔ اب گل لال رنگ کا فراک پہنے گول گول گھوم کر اپنے آپ کو شیشے میں دیکھ رہی تھی۔ نازو بی تو حیران تھیں کہ وہ اتنی جلدی مان کیسے گئی۔ خیر جو بھی ہو اب نازو بی کا کام آسان ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ۔ تیار ہو کر نیچے اتری تھی۔ "بابا دیکھیں میں پیاری لگ رہی ہوں نہ "فرحان صاحب نے اس کے ماتھے کو چوما تھا۔ "ہاں میری بیٹی سب سے زیادہ پیاری لگ رہی ہے" اور وہ کھلکھلا کر مسکرا دی تھی۔

تین سال بعد

شام کا سورج اب طلوع ہو چکا تھا۔ فرحان صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے تھے جب ان کے دروازے پر کسی نے نوک کیا تھا۔ "آ جاؤ" انہوں نے عینک اتار کر میز پر رکھی تھی۔ حنان نے دروازہ آہستہ سے کھولا اور پھر اندر آ کر دروازہ بند کیا۔

"حنان بیٹا آپ، بولو کیا بات ہے" وہ آ کر کھڑا تھا تو فرحان صاحب نے اس کو سامنے کی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"انکل وہ آپ جانتے ہیں کہ میری میٹرک کے امتحانات اب ہو گ ئے ہیں اور میں نے ایک کلرک کی نوکری کے لیے کہا ہے اپنے ایک دوست کو۔ آپ نے کہا تھا کہ جب میں کچھ کرنے کے قابل ہو جاؤں گا تو آپ مجھے جانے دیں گے "اس نے اپنی بات ٹھہر ٹھہر کر کی تھی۔

"بیٹا کلرک کی نوکری سے تو بہت معمولی تنخواہ ملتی ہے اور آپ کو پتہ ہے کہ کتنی مہنگائی ہے آپ کو ایسے کیسے جانے دوں میں" حنان نے سر جھکایا تھا۔

"انکل پلیز اب میں مزید آپ پر بوجھ نہیں بننا چاہتا میں اپنی کمائی سے کچھ نہ کچھ کر لوں گا" فرحان صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملائیں تھیں۔ "پھر ایک آخری دفعہ کی بات مان لو تم۔ تمہاری امی اور تم اپنے گھر میں رہو گے" حنان نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا تھا۔

"جی انکل میں سمجھا نہیں" فرحان صاحب نے آگے جھک کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

" دیکھو بیٹا حیات آباد میں میرا ایک گھر ہے جو کافی عرصے سے بند ہے۔ وہ میرے والدین کا گھر تھا جو میرے والد نے میرے نام لگایا تھا مگر یہ گھر مجھے کمپنی کی طرف سے ملا تھا۔ میری بیوی کی خواہش تھی کہ ہم اس گھر میں رہیں تو وہ گھر میں بیچنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس سے میرے والدین کی یادیں جڑیں ہیں" پھر وہ اٹھے اور اپنی الماری کی طرف بڑھ گ ئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک چابیوں کا گچھا لے کر حنان کے پاس آئے۔

"یہ رکھ لو بیٹا میں تمہیں یہ گھر بہت مان سے دے رہا ہوں جب تم زندگی میں کسی موڑ پر اس کو واپس کرنا چاہو تو میں تمہیں یہاں ہی ملوں گا" حنان نے مسکرا کر انہیں احترام سے دیکھا تھا۔ پھر چابی لے کر

ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ "میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آج رات کو ہی ہم چلے جائیں گے۔ امی نے یہ فیصلہ کیا ہے" توفرحان صاحب نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔ وہ واپس آیا اور سلمہ بی کو ساری بات بتانے لگا۔ انہوں نے پہلے انکار کرنا چاہا پھر حنان کی پوری بات سن کر کچھ دیر سوچ کر ہامی بھری۔ پر انہوں نے حنان سے تلقین کی کہ وہ جب کمانے لگے گا تو اپنا گھر بنائے گا۔ حنان نے اس بات کا وعدہ اپنی ماں سے کر لیا تھا۔ شام کو جب وہ سامان کے ساتھ باہر آئے تھے تو گل بھی وہیں اپنے بابا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے جب یہ دیکھا تو حیرت سے حنان کے پاس پہنچ گئی۔

"آ۔۔۔ پ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ " حنان نے سر جھکا لیا تھا۔ وہ ایسا تب کرتا تھا جب کوئی بری خبر ہو یا جب وہ گل کو اداس نہ دیکھ سکتا ہو۔ سلمہ بی نے اگے بڑھ کر گل کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ "بیٹا اپ لوگوں نے ہماری بہت مدد کی ہے۔ اس مشکل وقت میں اور اب وقت آ گیا ہے کہ ہم آپ لوگوں پر مزید بوجھ نہ بنیں۔ اسی لیے اللہ حافظ بیٹا فی امان اللہ" انہوں نے نرمی سے کہا تھا۔ گل کے آنسو لڑھک کر زمین پر گرے تھے۔ حنان نے اس کے آنسو دیکھے تھے۔ سلمہ اب آگے جا کر نازو بی کے ساتھ گاڑی میں سامان رکھوا رہیں تھیں۔ حنان نے گل کو ایسے روتا دیکھا تو وہ دکھی ہوا تھا۔

"گل تم تو میری واحد بیسٹ فرینڈ ہو۔ تم یہ بات جانتی ہو اب تو تم آٹھویں کلاس میں بھی آ گئی ہو۔ دیکھو تو میری دوست کتنی بڑی اور سمجھدار ہو گئی ہے" گل نے اپنی روتی آنکھوں سے اوپر حنان کو دیکھا تو وہ اس کے سامنے ایک گھٹنہ نیچے رکھے بیٹھ گیا۔

"کیا مطلب میں پہلے بے وقوف تھی کیا؟" اس نے اب بھی خفگی سے کہا تھا۔ حنان کو اس کے شکوے پر ہنسی آئی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کی تھی۔ "دیکھا آپ میرا مزاق بھی اڑا رہے ہیں" اب کہ حنان سنجیدہ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں میں نہیں اڑا رہا مذاق۔ تم میری بات دھیان سے سنو تم نے اپنی پڑھائی میں خوب دل لگانا ہے اور اپنے بابا کا سر فخر سے بلند کرنا ہے۔ تم مجھے یاد کر کے نہیں روگی ٹھیک ہے نہ" آنسو اس کی دائیں آنکھ سے بہا تھا۔ وہ ایک بار پھر رونے لگی تھی۔

"لیکن اپ مجھے پھر کبھی نہیں ملیں گے ؟" اس نے اداسی سے کہا تھا۔ "قسمت میں ہوا تو ہم ضرور ملیں گے" حنان نے اسے سمجھا کر بہت ہی نرمی سے کہا تھا۔ اب وہ اور سلمہ گاڑی میں بیٹھے تھے اور ڈرائیور گاڑی باہر نکال رہا تھا۔ فرحان صاحب اور ان کے ساتھ کھڑی گل اب اداسی سے ان کو ہاتھ ہلا رہی تھی۔ وہ جب چلے گئے تو فرحان صاحب اور گل اندر آگئے۔ "بابا کیا وہ ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتے تھے" فرحان صاحب ٹی وی کا چینل بدل رہے تھے جب گل نے ان سے پوچھا تھا۔

"بیٹا تم اب بڑی ہو گئی ہو تم بھی جانتی ہو کہ ایک لڑکا کسی لڑکی والے گھر میں ایسے بغیر کسی تعلق کے نہیں رہ سکتا۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اور پھر حنان سے میں نے وعدہ کیا تھا جب وہ خود کچھ کرنے کے قابل ہو جائے گا تو وہ جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ اب وہ وقت آچکا ہے" گل اب کچن سے پانی لا کر فرحان صاحب کے ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ "شکریہ بیٹی" وہ مسکرائی تھی۔ "یور ویلکم بابا" اب وہ دونوں صوفے پر بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ ایک بار ہھر چار سالوں کے بعد آج اس گھر میں گل اور فرحان صاحب تھے جیسے چار سال پہلے یوتے تھے۔

چار سال بعد

ہوا کے زور سے کھڑکی کے سفید پردے دائیں بائیں ہل رہے تھے۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اور سورج کی کرنوں سے بستر پر لیٹا وہ وجود اب کچھ ہل چل کر رہا تھا۔ اتنے میں نازو بی اندر آتیں ہیں۔ بڑھاپے کے باعث وہ اب آہستہ رفتار سے چل رہیں تھیں۔

"بی بی جی آپ ابھی تک سو رہیں ہیں" مگر وہ وجود ہلا تک نہیں تھا۔

"گل بی بی اٹھ جائیں آپ کا آج یونیورسٹی میں پہلا دن ہے" اب کہ گل نے تیزی سے چادر چہرے سے ہٹائی اور ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔ وہ نکھری رنگت سرمئی آنکھیں اور ہلکے گلابی ہونٹ۔ اب وہ چھوٹی گل نہیں بلکہ وہ ایک خوبصورت نوعمر سی لڑکی تھی۔ "اوہ مائی گاڈ نازو بی آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں جگایا۔"

"گل بی بی آپ کو تین دفعہ جگانے آئی تھی میں۔ آپ ہر دفعہ 'بس پانچ منٹ اور' کہہ کر جانے کا کہہ دیتیں تھیں۔" گل نے اپنے تکیے کے ساتھ پڑے موبائل پر ٹائم دیکھا تو وہاں پونے آٹھ بج رہے تھے۔ اس کی پہلی کلاس آٹھ بجے تھی۔ اب سے ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد۔ وہ خاصی عجلت میں اٹھی اور واش روم کی طرف بھاگی۔ پھر واپس آکر اس نے الماری سے ایک پینگڈ سوٹ نکالا۔ کپڑے بدل کر اب وہ شیشے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں میں کنگھا کر رہی تھی۔ اس کے سیاہ چمکیلے بال پوری کمر تک آتے تھے۔ اس نے تیزی سے انہیں دونوں کندھوں پر ڈالا اور پھر گلے میں دوپٹہ ڈال لیا۔ اس نے دھلے ہوئے چہرے پر میک اپ کرنے کا سوچا مگر کلائی میں پہنی گھڑی پر ٹائم دیکھا تو اب صرف پانچ منٹ رہ

گ ئے تھے۔ اس نے اپنا ٹوٹ بیگ کندھے میں لیا اور باہر نکل آئی۔ نیچے فرحان صاحب بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"اسلام علیکم بابا" فرحان صاحب نے مسکرا کر اپنی بیٹی کو دیکھا تھا۔ اس نے آج میرون کرتا ٹراوزر اور گلے میں میرون ہی دوپٹہ ڈالا ہوا تھا۔ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس کی سفید رنگت کے ساتھ یہ شوخ رنگ کھل اٹھتے تھے۔ وہ نیچے آئی تو فرحان صاحب نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ وہ عجلت میں جانے لگی تھی جب فرحان صاحب نے اس کو روکا۔

"بیٹی ناشتا تو کرتی جاؤ خالی پیٹ رہنا صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا" "بابا بہت دیر ہو گئی ہے آلریڈی۔ مگر آئی پرامس میں کینٹن سے کچھ کھا لوں گی" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ فرحان صاحب نے ایک گہرا سانس اندر کھینچا اور چائے کا کپ اٹھائے گھونٹ بھرنے لگے۔

وہ ابھی گاڑی میں بیٹھی تھی کہ اس کا فون بجا تھا۔ 'جیا کالنگ' جیا اس کی سکول کے زمانے سے دوست تھی۔ پھر وہ دونوں ایک ساتھ کالج جاتیں تھیں۔ اب انہوں نے یو او پی یعنی یونیورسٹی اوف پشاور میں بھی ایک ساتھ ہی داخلہ لیا تھا۔ اس نے فون اٹھایا تو جیا تو جیسے فون میں سے ہی اس پر برس پڑی تھی۔ "گل تم آرہی ہو نہ یہ نہ ہو کہ میں آج اکیلی ہی جاؤں اور سینیئرز سے میری دھلائی ہو جائے۔ دیکھو ٹائم سے آنا اچھا۔ میں تو تمہیں کہہ رہی تھی کہ میرا ڈرائیور ہم دونوں کو ڈراپ کر دے گا۔ تم ہی نہیں مانی۔" گل نے اس کی پوری بات تحمل سے سنی تھی۔

"ہاں آرہی ہوں میری ڈرامہ کوئین" جیا سے مختصر بات کے بعد اب وہ خاموشی سے کھڑکی سے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔ آج موسم کافی اچھا تھا۔ بادلوں نے سورج کا راستہ روک رکھا تھا اور

ہلکی ہلکی ہوا سے درختوں کے پتے ہل رہے تھے۔ گاڑی یونیورسٹی کے گیٹ پر رکی تھی۔ اس نے باہر نکل کر ایک گہرا سانس لیا۔ اندر جا ہی رہی تھی کی ایک گاڑی گیٹ کے پاس آ کر رکی تھی۔ وہ جیا تھی۔ اس نے گل کو دیکھا تھا تو جلدی سے باہر نکل کر اس کی طرف بڑھی تھی۔

"گل فائنلی تم آ گئی۔ میں بہت ایکسائٹڈ ہوں ساتھ ہی نروس بھی۔" گل نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ جیا ایک بہت ہی سادہ مگر باتونی لڑکی تھی۔ وہ جب تک اپنی ساری دل کی بات کر نہیں دیتی تھی اس کو چین نہیں آتا تھا۔ اب بھی وہ گل کو ہر ایک کیفیت کے بارے میں ایسے ہی بتا رہی تھی۔ وہ دونوں اندر آئیں تو وہاں بہت سے سٹوڈنٹس موجود تھے۔ کچھ گروپس میں ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے اور کچھ کلاسز کی طرف بڑھ رہے تھے۔ گل کو سمجھ نہ آیا کہ اسے کس طرف جانا ہے۔ گل ویسے تو ہر سبجیکٹ میں آگے تھی مگر اس کی اپنی دلچسپی فزکس میں تھی اور بی ایس فزکس اسے یو او پی کے کورسز میں ان کی ویب سائٹ پر ملی تو اس نے فوراً ہی ایڈمیشن کے لیے اپلائی کر دیا تھا۔ جبکہ جیا ایک نارمل سٹوڈنٹ تھی اس نے بھی فزکس کا چناؤ کیا تھا اس کو فزکس کے پراجیکٹ اور موڈلز میں ہمیشہ اے پلس ملتا تھا اور دوسری بات یہ تھی کہ گل اور اس کی دوستی بھی اس فزکس پراجیکٹ کی وجہ سے نویں جماعت میں ہوئی تھی اور اب ان دونوں کا فزکس رکھنے کا فیصلہ باہم تھا۔ وہ فزکس کے ڈیپارٹمنٹ کو ڈھونڈ رہی تھی۔ مگر رش کے باعث اسے کلاس کے ساتھ لگی نیم پلیٹ نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر لوگوں کے بیچ سے جگہ بناتیں آگے گئیں تھیں۔ جیا نے آگے لگے نوٹس بورڈ پر اپنی کلاس ڈھونڈنی چاہی تھی۔ جبکہ گل باہر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آتی دکھائی دی تھی۔ گل اور جیا کے درمیان ایک کوریڈور کا فاصلہ تھا۔ گل کوریڈور چھوڑ کر اس تک آئی تھی۔

"ہاں ملی کیا کلاس؟" اس نے پوچھا تھا۔

جیا اسے بتانے لگی تھی کہ گل کو اپنے اوپر پانی کی پھوار برستی محسوس ہوئی۔ ابھی وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے جب جیا نے اسے اپنی طرف کھینچ کر کوریڈور میں کیا تھا۔ "گل بچ کے" اس نے گل کو اپنی طرف کرتے ہوئے کہا تھا۔ گل نے جب اوپر دیکھا تو ایک گھنگریالے بالوں والا لڑکا جس نے سفید شرٹ پہن رکھی تھی وہاں سے بھاگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں خالی پانی کی بوتل تھی۔ گل کو اب ساری بات سمجھ آئی تھی۔ گل کو اس وقت وہ بارش لگی تھی مگر جب ایک دم سے زیادہ پانی آیا تھا تو اسے پتہ چلا تھا کہ یہ کوئی بارش نہیں تھی بلکہ یہ کوئی لڑکا اس پر پانی گرا رہا تھا۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس نے اس لڑکے کا نظروں سے تعاقب کر لیا تھا۔

"یہ کیا سمجھتا ہے یہ مجھ سے، گلنار زہرا سے بچ جائے گا اس کی تو" گل نے غصے سے کہا تھا۔

"یار کام ڈاؤن یہ سینئر ہوں گے ہمارے" جیا نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔ "ارے سینئر ہیں تو کیا سمجھتے ہیں یہ بچ جائیں گے" جیا کو لگا تھا اب تو وہ لڑکا گیا۔ اس معاملے میں گل شروع سے ہی ایسی تھی اس سے کبھی کوئی پنگا لینے کا نہیں سوچ سکتا تھا۔ جو بھی گل کے ساتھ کوئی مذاق کرتا یا کوئی چھیڑ چھاڑ کرتا تو اس کو پرنسپل آفس کی پیشی ضرور بھگتنی پڑتی تھی۔ ایک دفعہ نویں جماعت میں ایک لڑکے نے اسے لو لیٹر دیا تھا۔ اس نے وہ پوری کلاس کے سامنے پڑھا تھا اور انچارج میم کو پڑھ کر سنایا تھا۔ اس کے بعد وہ لڑکا سسپینڈ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ یہ قصہ پورے سکول میں مشہور تھا اور اس کے بعد سے کسی نے گل کو چھیڑنے کی جرات نہیں کی تھی۔ وہ اب جیا کو لیتی دوسرے فلور کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ جیا اس کو سمجھا رہی تھی کہ آج یونیورسٹی میں پہلا دن ہے وہ ایسا نہ کرے مگر گل جب ایک

دفعہ جو کرنے کی ٹھان لیتی تھی اس سے اسے کوئی بھی نہیں روک پاتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اس لڑکے کی کلاس کا راستہ روکے کھڑی تھی جہاں سے وہ اندر جا رہا تھا۔

"ایکسکیوز می پلیز گیٹ اے سائڈ مجھے کلاس میں جانا ہے" اس لڑکے نے ایسے شریفانہ انداز میں کہا تھا جیسے ابھی ایک منٹ پہلے اس نے تو کچھ کیا ہی نہ تھا۔ گل کو اس کی ایکٹنگ کمال کی لگی تھی۔ "واہ کیا ایکٹنگ کر لیتے ہو" گل نے ہاتھ کے اشارے سے کہا تھا۔

"ک۔۔ کیا مطلب میڈم"

"اچھا تو اب آپ کو پتہ بھی نہیں ہے کہ کیا مطلب یہ میرا بازو دیکھ رہے ہیں پورا گیلا ہے آپ کی اس حرکت کی وجہ سے" لڑکے نے اب اب گردن کے پیچھے ہاتھ پھیرا تھا۔ "و۔۔ وہ آئی ایم سوری" گل کو اس کی معافی پر بھی غصہ آیا تھا۔

"سوری؟۔۔۔ مطلب پہلے یہ گری ہوئی حرکت کی اور پھر معافی مانگ لی واہ کیا کہنے ہیں آپ کے" وہ بلکل اس کی آنکھوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی تو اس نے گردن جھکا لیں تھیں۔ "گل چھوڑو اسے لیکچر کا ٹائم ہو گیا ہے" جیا نے آہستہ سے گل کو کہا تھا مگر وہ تو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔

"ایسے کیسے چھوڑ دوں اس سے پوری بات تو کر لوں" جیا سے کہنے کے بعد وہ ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ "مسٹر اپنا نام کلاس ڈیپارٹمنٹ سب بتاؤ۔ تمہارے پاس تیس سیکنڈ ہیں" لڑکے نے بوکھلا کر اسے دیکھا تھا۔ کیا وہ اس کی رپورٹ کرنے والی تھی۔

"جلدی کرو دس سیکنڈ ہو چکے ہیں آلریڈی" لڑکے نے اپنی گھڑی کو دیکھا تھا۔ وہ واقعی سنجیدہ تھی اس نے تیس سیکنڈ ہی دیے تھے۔

"و۔۔ وہ میرا نام کیف الرحمٰن ہے ففتھ سمسٹر سے آئی ٹی" گل نے جتاتی نظروں سے جیا کو دیکھا تھا۔

"نام تو بڑا شاعرانہ ہے" گل نے ہنسی دبا کر کہا تھا۔

"نہیں وہ تو ایسے ہی بس، ویسے آپ مجھے کیفی بھی بلا سکتی ہیں" گل کی ہنسی ہوا ہوئی تھی۔

"مسٹر کیف الرحمٰن میں یہاں آپ کے ساتھ دوستیاں بڑھانے نہیں آئی ہوں بلکہ بتانے آئی ہوں کہ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ ہو سمجھے "اس نے رکھائی سے کہا تھا۔ پھر جیا کو لے کر واپس نیچے چلی گئی۔

"ہاں تو کلاس کہاں ہے ہماری" اس نے اب تھکے ہوئے لہجے سے جیا سے پوچھا تھا۔

"تمہیں اتنی دیر سے یہی بتا رہی تھی کہ ہماری کلاس بھی سیکنڈ فلور پر ہے" اس نے کہا تھا۔ "کیا۔۔۔ ہمارا تو الگ ڈیپارٹمنٹ نہیں ہے" جیا نے اسے ایسے دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو سیر ئسلی۔ "یار آج تو اورئنٹیشن کلاس ہے نہ سب کی اوپر ہی ہے، پھر کل سے ہماری کلاس اپنے ڈیپارٹمنٹ میں لگے گی" گل نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

"اوہ ہاں۔۔ چلو پھر ایک تو اتنا سارا چلنا پڑتا ہے تم مجھے پہلے نہیں بتا سکتی تھی۔" جیا نے کن اکھیوں سے اسے آگے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اس لڑکی کا کیا کرے۔

وہ جب غصے میں ہوتی ہے تو کسی کی ایک نہیں سنتی۔ اور پھر جب غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے بلکل جھاگ کی طرح

بیٹھ جاتی ہے۔اس کو سمجھنا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔جب اتنے عرصے سے جیا اس کے ساتھ رہ کر اسے نہیں سمجھ پائی تھی تو کسی اور کو کیسے سمجھ آتی۔ وہ لوگ اب اپنی کلاس میں پہنچ چکے تھے۔ وہ ایک آڈیٹوریم تھا اور وہاں تقریباً سو سٹوڈنٹس تھے۔ "جیا یہاں تو بہت سے سٹوڈنٹس آ چکے ہیں" اس نے جیا کو آڈیٹوریم میں داخل ہوتے ہوئے سرگوشی میں کہا تھا۔ "ہاں نا ہم لیٹ ہو گئے ہیں پر شکر ہے کہ ابھی ٹیچر نہیں آئے" کچھ دیر بعد لیکچر ہو گیا تو گل نے فون پر ٹائم دیکھا تھا۔

"یار جیا اب کوئی کلاس نہیں ہے نا" جیا نے بیگ اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ "نہیں آج بس اور یئٹیشن کلاس تھی" گل نے گہرا سانس لیا تھا۔

"تھینک گاڈ چلو پھر کیفے چلتے ہیں۔ صبح سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں" جیا نے مطلب خیز نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ہے۔اب تم ایسے کیوں دیکھ رہی ہو" گل نے اکتا کر اسے دیکھا تھا۔ "میں سوچ رہی ہوں صبح کو خالی پیٹ بھی تم نے اس بے چارے سیف الرحمٰن کی اچھی خاصی دھلائی کر دی تھی۔ کچھ کھا کر آتی تو پھر اس بے چارے کا کیا ہوتا" گل نے زور سے قہقہہ لگایا تھا۔ "کیف الرحمٰن ہے اس کا نام کیوں اس کا شاعرانہ نام کا مذاق اڑا رہی ہو" گل نے ہنس کر کہا تھا۔ "اوہ ہاں کیف اور پیار سے کیفی" جیا نے اس کی نقل کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ دونوں اب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئیں تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ اب کیفے کے کاؤنٹر پر شیشے کے پار پڑے رول سموسے منی پیزے اور باقی اشیاء کو دیکھ کر انتخاب کر رہیں تھیں۔

"یار جیا مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کیا لوں" جیا نے گل کی طرف دیکھا جو ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہی

تھی۔ "ایک تو تمہارے نخرے ہی الگ ہیں" جیا نے اس کی طرف دیکھ کر بولا تھا اور پھر سامنے پڑی چیزوں کو دیکھا تھا۔

"منی پیزا لے لیتے ہیں باقی چیزیں تیل میں تلی ہوئی ہیں پتہ نہیں کیسی ہوں" گل نے کافی دیر سوچنے کے بعد آخر ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ اب لوگوں نے آرڈر کیا اور پھر سامنے والی ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئیں۔

"کیفی سنا پھر آ رہا ہے نہ میری برتھ ڈے پارٹی پر" یہ آواز ساتھ والی ٹیبل سے آئی تھی ایسے کے گل کے پیچھے تھی اور جیا کو گل کے پیچھے وہ ٹیبل دکھائی دے رہی تھی۔ گل نے جیا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ جیسے پوچھ رہی ہو یہ وہی ہے کیا۔ جیا نے گل کے پیچھے دیکھا تھا اور پھر ہاں میں سر ہلایا تھا۔ گل نے جیا کو اپنے پیچھے آنے کا کہا اور کھڑی ہو کر ان کی ٹیبل کی طرف چل پڑی۔ جیا نے سر پکڑ لیا تھا کہ پتہ نہیں اب کونسا تماشہ لگانے لگی ہے گل۔

"مسٹر کیف الرحمٰن آپ سے ایک بار پھر مل کر اچھا لگ رہا ہے" کیف نے اچانک اپنے سر پر اسے کھڑا دیکھا تو بوکھلا گیا۔

"و۔۔ وہ آپ یہاں اچھا لگا آپ کو یہاں دیکھ کر" اس نے آہستہ آواز میں کہا تھا۔ پھر اپنے سر کی پچھلی طرف کھجائی تھی وہ اس وقت بلکل نعصوم سا بچہ لگ رہا تھا۔

"ویسے میں پہلا امپریشن کبھی بھولتی نہیں ہوں" کیف اب شرمندہ سا ہوا تھا۔ "آئی ایم سوری میں آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا" اس نے آہستہ سے گردن جھکائی تھی۔ "ایسے زبانی کلامی یہ معاملہ حل نہیں ہو گا" گل نے رکھائی سے کہا تھا۔

"گل کیا کر رہی ہو بخش دو بے چارے کی جان" جیا نے گل کے کان میں سر گوشی کی تھی۔ "اچھا سنو آج تم ہمارا بل ادا کرو گے" کیفی نے اوپر اچانک سے دیکھا جیسے اس نے کچھ غلط سنا ہو۔ "ج۔۔ جی؟" گل نے بازو پیچھے کیے تھے۔ جیسے وہ کوئی جھگڑالو عورت ہو۔

"جی کے بچے اس دن والی انسلٹ ابھی بھولی نہیں ہوں میں" "او۔۔ اوکے میں پے کر دوں گا بل" گل نے جیا کو دیکھا تھا۔ پھر وہ دونوں واپس اپنی جگہ پر آئیں تھیں۔

"یار بے چارے کو تم نے صحیح پیسا ہوا ہے" جیا بے ایک گال کے نیچے ہاتھ رکھ کر کہنی میز میں ٹکائے گل سے کیا تھا۔ ان کے اورڈر کیے منی پیزا آ چکے تھے ساتھ ہی انہوں نے کولڈ ڈرنک منگوانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اب جیب تو ویسے بھی کسی اور کی ہلکی ہونی تھی نا۔

یہ ایک چھوٹے پیمانے کی کوٹھی تھی جس میں اب ایک کمرے کی لائٹ آن تھی۔ اس کی کھڑکی سے دو وجود اب تک بیٹھے گفتگو کرتے نظر آ رہے تھے۔

"یار وہ لڑکی نہیں ہے آفت ہے۔ تم دیکھو گے تو تم بھی اللہ کی پناہ مانگنے لگو" اور سامنے بیٹھا لڑکا اب ہنسی سے لوٹ پوٹ تھا۔ "یار قسم سے؟۔۔۔ تم اپنے دوست کی بے بسی پر ہنس رہے ہو؟" کیفی نے بے چاری سی شکل بنا کر کہا تھا۔

"تم اس سے ڈر گئے حد ہوتی ہے" اس لڑکے نے سر دائیں بائیں مایوسی سے ہلا کر کیا تھا۔

"یار کیا کروں محبت بھی اندھی ہوتی ہے" اس نے کہا تو ساتھ بیٹھا لڑکا جو بازو کہنی تک لے جا رہا تھا اس کی آنکھوں میں حیرت آئی تھی۔

"واقعی تم۔۔۔اس سے محبت کرتے ہو؟" وہ کہہ کر ایک بار پھر ہنسا تھا۔ وہ اسے ابھی آفت کہہ رہا تھا اور اسی آفت سے محبت کر کے بیٹھا تھا کیفی بھی کیا غضب کا بندہ تھا۔

"ہاں ہار محبت تو ہے ورنہ اس کی اتنی باتیں کیوں سنتا" اس نے کہا تو ایک لمحے کے لیے وہ کافی سنجیدہ لگا تھا۔

"لگتا ہے تمہاری محبت واقعی سچی ہے" اس نے اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔ "تمہیں تمہاری محبت ملے گی تو کیا کرو گے" بھوری آنکھوں والے لڑکے نے اس سے پوچھا تھا۔ کیفی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ کیا اس کی محبت اسے ملے گی بھی۔

آج چھٹی کا دن تھا۔ سورج کی کرنوں نے اس کے روشندان کا راستہ دیکھ لیا تھا۔ روشنی سے اس کی پر سکون آنکھوں کو پریشان کیا تھا۔ اس نے اپنا فون اٹھا کر ٹائم دیکھنا چاہا تھا۔ ابھی نو بجے تھے۔ ساتھ ہی آج اتوار کا دن تھا۔ اس نے اپنے بابا کے ساتھ آج اپنا تمام تر دن گزارنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھی اور تیار ہونے لگی۔ اس نے آج جامنی سادا قمیض جو گھٹنوں سے نیچے آتی تھی پہن رکھی تھی۔ وہ ہمیشہ سادا ہی کپڑے پہنتی تھی۔ جیا اسے اکثر کہا کرتی تھی کہ تھوڑا سا فینسی ٹچ تو دیا کرے مگر اس کا جواب صاف ہوتا تھا۔ وہ کہتی تھی انسان دوسروں کی خوشی کے لیے تیار تھوڑی ہوتا ہے۔ اسے وہ کرنا چاہیے جس سے اس کا دل خوش اور مطمئن ہو اور میرا دل ایسے ہی مطمئن ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ یہ کہہ کر جیا کو لا جواب کر دیا کرتی تھی۔ اس نے اب اپنے سیدھے بالوں کو جوڑے میں گوندا تھا۔ وہ اب اپنے دودھیا پیر جوتے میں ڈال کر اپنے آپ کو شیشے میں دیکھ رہی تھی۔ وہ دھلے ہوئے چہرے سادہ لباس اور سمیٹے ہوئے

بالوں میں ایک مکمل مشرقی لڑکی کا روپ تھا۔ وہ اب نیچے اتری تھی۔ نازو بی کو کچن میں چائے کا کہہ کر وہ اپنے بابا کے پاس آئی تھی۔

"اسلام وعلیکم بابا صبح بخیر" اس نے لان میں کرسیوں کی طرف آتے ہوئے کہا تھا۔ فرحان صاحب نے اخبار سے نظر اٹھا کر اپنی عینک درست کی تھی۔

"وعلیکم السلام بیٹا" انہوں نے مسکرا کر گل کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"بابا آج سنڈے ہے" فرحان صاحب ابھی بھی اخبار پر جھکے تھے۔

"ہاں بیٹا جانتا ہوں" اس نے تنقیدی نگاہوں سے فرحان صاحب کو دیکھا تھا۔ انہوں نے وہ بات نہیں کی تھی مطلب انہیں یاد نہیں تھا۔ گل نے اب سوچا تھا۔

"تو بابا آج ہمیں حیات آباد جانا تھا نا آپ کی زمینوں پر" فرحان صاحب نے اب اوہ میں لب سکیڑے تھے۔ وہ واقعی بھول گئے تھے کہ انہوں نے گل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہر چھٹی پر حیات آباد جایا کریں گے۔

"بابا آپ بھول گ ئے تھے نا" اس نے شکایتی لہجے میں انہیں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "آئم سوری بیٹا بس ابھی ناشتا کر کے جائیں گے" انہوں نے گل کو بچوں کی طرح تسلی دی تھی۔ نازو بی اب ان کی طرف چائے کا ٹرے لے کر آرہیں تھیں۔

حیات آباد کا موسم زرا سا گرم تھا بنسبت بیرون علاقے کے۔ وہ فرحان صاحب کے ساتھ چلتی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ لوگ سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔ اس وقت وہ لوگ مڑ کر اس

سڑک پر آئے تھے جہاں اکثر وہ اپنے بابا کے ساتھ بچپن میں آتی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر فرحان صاحب کو دیکھا تھا۔ فرحان صاحب آہستہ آہستہ چلتے اس کے پاس آ رہے تھے۔

" بابا آپ کو یاد ہے جب آپ مجھے بچپن میں یہاں لایا کرتے تھے" اس نے چہرہ جھکائے پتھروں کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں بیٹا تم بہت شرارتی ہوا کرتی تھی" فرحان صاحب کو اس کا بچپن یاد آیا تھا۔ وہ مسکرانے لگے تھے۔

" بابا مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا ہے آپ جب بھی مجھے یہاں لے کر آتے تھے بہت سی اچھی باتیں بتایا کرتے تھے" فرحان صاحب اب اس کے ساتھ آ کر رکے تھے تو وہ بھی رک گئی تھی۔ "ہاں بیٹا ان باتوں کی اہمیت تو تب ہو نا جب ہم۔ واقعی انہیں عمل میں لائیں۔ یہاں بچپن میں تو یہ باتیں ہمیں اچھی اور نئی لگتیں ہیں مگر جب ہم بڑے ہو جاتے ہیں تو ہم وہ شعور استمال نہیں کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں جیسا لوگ ہمارے ساتھ کرتے ہیں۔ ہم صبر کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ پر میری بیٹی تمہیں اگر زندگی میں کامیاب ہونا ہو تو تم ان باتوں کو عمل میں لاؤ گی اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑو گی چاہے تمہیں جتنی بھی مشکلات کیوں نا پیش آئیں۔ تم کبھی بھی نہیں ہارو گی۔ " گل آنکھوں میں نمی لیے مسکرائی تھی پھر فرحان صاحب کے گلے لگی تھی۔ فرحان صاحب نے اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔ وہ اب ایک ساتھ ٹہل کر آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ وہی راستہ تھا۔ گل کو اچھے سے یاد تھا۔ سامنے ہسپتال کا بڑا سا بورڈ آیا تو گل کے ذہن کے پردوں میں بہت سے رنگ ابھر کر معدوم ہوئے تھے۔ وہ بھوری آنکھوں والا لڑکا۔ وہ یہاں تھا یہیں بلکل اس کے سامنے۔ "حنان" اس نے اپنا نام بتایا تھا۔ وہ ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ اس سے تھپڑ کے بعد سہلا رہا تھا۔ ہاں وہ لڑکا جو

کہیں کھو گیا تھا۔ گل کی زندگی میں اس کے بغیر اب وہ پھول نہیں کھلتے تھے جو اسے سامنے دیکھتے ہی کئی رنگ بدلا کرتے تھے۔ کیا وہ اسے یاد کرتا ہو گا۔ وہ کیا کر رہا ہو گا اس وقت۔ کیا اسے یہ یاد ہو گا کہ اس کی زندگی میں کوئی گل آئی تھی جیسے اسے سب یاد تھا۔ جیسے وہ ہر صبح کا آغاز اس کمرے سے کرتی تھی جہاں کبھی وہ آ کر رہا تھا۔ وہ ویران کونا ابھی تک ویسا ہی تھا۔ چار سال ہوئے تھے۔ مگر گل کو لگتا تھا چار صدیاں بیت گئیں ہوں۔ وہ کہاں تھا۔ "حنان تم آخر کہاں ہو اس بھری دنیا میں تم کہاں چھپے ہو" اس نے اپنے دل میں پیدا ہونے والی آواز کو کانوں میں گونجتا دیکھا تھا۔

اس کے خیالات میں پیچھے کہیں ماضی کے اس منظر سے دھول چھٹی تھی۔ وہ صحن میں بیٹھا تھا۔ چودہ سالہ حنان اور سامنے سے وہ ہاتھ میں کچھ لیے بھاگتی ہوئی اس کی طرف آئی تھی۔

"حانی دیکھو میں نے کیا بنایا ہے۔" وہ حنان کو حانی بلاتی تھی اور حنان اسے زئی۔ پہلے زئی صرف اس کے بابا اسے بلاتے تھے مگر پھر اس نے حنان کو بھی یہ اجازت دے دی تھی کہ وہ اسے زئی بلا سکتا ہے اور خود کو بھی خود ہی اجازت دے دی تھی کہ اب سے حنان کو حانی بلائے گی۔ وہ ہاتھ میں ایک چھوٹا کنوس پکڑے اس کے سامنے کیے ہوئے تھی۔ اس پر ایک خوبصورت سا گھر تھا جس کے ساتھ ایک درخت کھڑا تھا۔ اس کے نیچے دو بچے بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ ایک خاتون بھی بیٹھی تھی جو انہیں کچھ دکھا رہی تھی۔ گھر میں ایک تیس پینتیس برس کا آدمی دروازے کے باہر کھڑا ان بچوں کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے ہماری فیملی بنائی ہے" وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ وہ واقعی بہت خوبصورت پینٹنگ تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ ایک چھوٹی بچی نے بنائی ہو۔ اس کی تفصیلات مکمل تھیں۔ حنان نے پہلی بار دیکھا تو حیرت

میں مبتلا ہو گیا۔ "یہ بہت خوبصورت ہے زئی" اس نے دل سے تعریف کی تو وہ کنوس کو جکڑ کر پکڑے مسکرادی تھی۔

"یہ دیکھو میں بتاتی ہوں کہ یہ کون کون ہیں" وہ اب کنوس کو حنان کے پاس نیچے رکھے اس کے افراد سے حنان کا تعارف کروا رہی تھی۔

"یہ تم ہو اور یہ تمہارے سامنے میں ہوں، یہ سلمہ آنٹی ہمیں کھلونے دے رہی ہیں، اور وہ دروازے کے پاس بابا کھڑے ہیں۔ وہ ہمیں دیکھ کر مسکرا رہے ہیں جیسے وہ روز ہمیں چھپ چھپ کر دیکھ کر مسکراتے ہیں" حنان نے ایک ایک فرد کو جیسے گل متعارف کروا رہی تھی خوشی سے دیکھے جا رہا تھا پھر آخر میں اسے داد بھی دی تھی۔ وہ اب کنوس دوسری طرف رکھ کر خود حنان کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا ارادہ آج حنان سے بہت سی باتیں کرنے کا تھا۔ یہ بات حنان کو سمجھ آجاتی تھی جیسے ہی وہ اس طرح سے جڑ کر اس کے ساتھ بیٹھتی تھے۔

"تو آج مس زئی کو کیا جاننا ہے" اس نے ہاتھ اٹھا کر اس کا سر شرارتی انداز میں ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"آؤچ۔۔۔ حانی میری پنز خراب ہو جائیں گی" حنان نے اچانک ہی ہاتھ پیچھے ہٹا لیے تھے اور پھر مجرموں کی طرح دونوں ہاتھ کھڑے کر کے معافی مانگی تھی جو زئی نے فوراً ہی قبول کر لی تھی۔ اب وہ دونوں بیٹھے صحن میں لگے اس درخت کو تک رہے تھے۔

"زئی تمہیں لگتا ہے جب تم بڑی ہو جاؤ گی اور کسی مقام پر ہو گی لوگ تمہیں عزت دیں گے کیا وہ ایسا کریں گے"

یہ تمام باتیں اس چودہ سالہ دماغ میں نا جانے کب سے پل رہیں تھیں۔ اس دنیا کے گہرے اندھیروں نے اسے وقت سے پہلے ہی تلخ حقیقت دکھا کر کھرا اور سمجھدار بنا دیا تھا۔

"ہاں وہ لوگ میری عزت کریں گے کیونکہ میں اس مقام تک اپنے جینئس دماغ سے پہنچوں گی۔ چیٹنگ تھوڑی نا کروں گی" زئی کا جواب کھٹاک سے آیا تھا۔ حنان کو اس کے جواب پر ہنسی آ گئی تھی۔

"نہیں دنیا آج کل اتنی بے وقوف نہیں ہے تم ابھی چھوٹی ہو دنیا کی چالاکیوں کو سمجھنے کے لیے" اس نے کہا تو زئی نے کچھ حیرت اور کنفیوذن کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھا تھا۔ "دیکھو اس دنیا میں اپنے آپ کو منوانے والے تو بہت ہوں گے مگر کسی کو ماننے کو کوئی تیار نہیں ہو گا آزما کر دیکھ لینا" اس نے جتانے والے انداز میں کہا تھا مگر اس وقت زئی کو اس باتیں سمجھ نہیں آئیں تھیں۔

چھٹی ڈھول کے پردے دوبارہ آگے آ رہے تھے۔ وہ منظر پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اب حیات آباد میں اس گلی میں اپنے باپ کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں نا جانے وہ کب سے رو رہی تھی۔ اپنے خاموش آنسوؤں کو چپ کروا کر وہ اب فرحان صاحب کے ساتھ آگے چل رہی تھی۔ لیکن اس کا ذہن اب تک ان الجھنوں میں مبتلا تھا۔ وہ ابھی بھی نا چاہتے ہوئے بھی حنان ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ آخر اس کو کن چیزوں نے بچپن سے ہی دنیا کا اصلی چہرہ دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کا بچپن تو شفاف تھا مگر کیا وہ کبھی حنان کی زندگی کی تصویر میں خود کو دیکھ سکتی تھی۔ نہیں اس میں ہمت نہیں تھی۔ بچپن کی وہ کچی عمر ہماری زندگی کی عکاسی کرتی ہے وہ سوچتی تھی۔ اس کے بچپن نے اسے اس کے سوال کرنے کی عمر میں ہی اس کو جواب سکھا دیے تھے۔ وہ جواب جن کی زئی کو آج بھی اتنے سالوں بعد بھی تلاش رہی تھی۔ بچپن میں ہی اگر ویرانی آ جائے تو اس کی دھول ساری عمر نہیں

چھٹتی۔آج اگر حنان اس کے ساتھ ہوتا تو اس کی زندگی کو دیکھنے کا زاویہ ہی کچھ اور ہونا تھا۔ وہ اس کے ہر سوال کا جواب جانتا تھا۔ایک وہی تو تھا جس سے وہ اپنی ہر بات کہا کرتی تھی مگر کیا اس نے اس کی بھی سنی تھی کبھی۔ دل نے بہت تلخی سے اس سوال کے جواب میں 'نہیں' کہا تھا۔

وہ آج یونیورسٹی کے گیٹ پر جیا کا انتظار کر رہی تھی۔ آج ان کے مڈز کا پہلا امتحان تھا اور جیا نا جانے کیوں آج لیٹ ہو گئی تھی۔ وہ مضطرب سی سڑک پر چلتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی کہ شاید انہیں میں سے کسی میں اسے جیا نظر آ جائے۔ مگر پانچ منٹ ہونے کو آئے تھے وہ نہیں آئی تھی۔ وہ بار بار اس کے نمبر پر کال کر رہی تھی مگر جیا وہ ریسیو ہی نہیں کر رہی تھی۔ "کیا ہوا آپ اندر کیوں نہیں جا رہیں؟" یہ کیفی تھا وہ ابھی ابھی آیا تھا اور بائیک اندر لے کر جا رہا تھا۔ "وہ میں اپنی دوست کا انتظار کر رہی تھی اس نے کہا تھا وہ آنے والی ہے" کیفی نے اسے دیکھا تو وہ پریشان لگ رہی تھی۔آج پہلا پیپر تھا اور اسے ٹینشن تھی کہ کہیں جیا کا پیپر نہ رہ جائے۔ اور اس کی وجہ سے اس کا اپنا بھی۔ "آپ نے انہیں کال کی ہے؟" کیفی نے اس کے مضطرب انداز کو دیکھ کر کہا تھا۔

"ہاں کئی بار کیا ہے مگر وہ فون ہی نہیں اٹھا رہی۔" کہتے ہوئے اس کی نظریں ابھی تک سڑک پر تھیں۔

"آپ اندر چلیں وہ آتیں ہی ہوں گی" کیفی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

"اتنی دیر پہلے تو کبھی نہیں لگائی اس نے" وہ گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔ "نو بجے پیپر شروع ہونا ہے باقی صرف دس منٹ رہ گ ئے ہیں

"اسی وقت کرولا آکر رکی تھی۔ جیا اس میں سے نکلتی گل کی طرف آئی تھی۔

"جیا کی بچی کہاں رہ گئی تھی" وہ اسے جھڑکنے کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ کیفی کو ساتھ کھڑا دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ اس نے ہیلمٹ اتار کر آگے رکھا ہوا تھا اور سٹینڈ پر بائیک لگائی ہوئی تھی۔

"یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" جیا نے سرگوشی میں گل کے کان میں کہا تھا۔

"وہ یہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں یہاں کیوں کھڑی ہوں۔" اس نے صاف اونچی آواز میں کہا تھا۔ "ہاں جی وہ گل کافی پریشان لگ رہیں تھیں آپ کے لیے" اس نے بہت ہی نرم لہجے میں کہا تھا۔ جیا کو حیرانی ہوئی تھی کہ وہ لڑکا ان کی اتنی عزت کر رہا تھا جبکہ وہ تو اسے ہر الٹے کام میں پھنساتی تھیں۔ وہ اب اندر آ چکے تھے اور امتحان شروع ہو چکا تھا۔ امتحان کے بعد وہ باہر آئیں تو جیا نے کہا کہ اسے پیاس لگی ہے۔ وہ لوگ ابھی کیفے کی طرف جا رہیں تھیں جب وہ پرنسپل آفس کے سامنے سے گزرنے لگیں تو وہاں کوئی کھڑا تھا۔ وہ کیفی تھا۔ پرنسپل صاحب اسے کچھ بتا رہے تھے اور وہ کچھ پریشان سا سن رہا تھا۔

"یار وہ کیفی نہیں ہے" جیا نے گل سے کہا تھا۔ "ہاں یہ تو وہی ہے اسے پرنسپل صاحب نے کیوں بلایا ہے؟" وہ ابھی دیکھ ہی رہی تھی جب کیفی باہر آیا تھا۔ وہ بہت ہی پریشان لگ رہا تھا۔ "کیفی کیا ہوا ہے خیریت تو ہے؟" گل نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے سر جھکا کر کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ تقریباً رو دینے کے قریب تھا۔ "کیا ہوا ہے کچھ تو بولو" گل نے دوسری بار اس سے کہا تھا۔ وہ واقعی اس کے لیے پریشان ہوئی تھی۔

"م۔۔۔ میرے ب۔۔۔ بابا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے" اس نے اٹک اٹک کر بولا تھا۔ اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ "یا میرے اللہ۔ اللہ انہیں صحت دے" گل کو سمجھ نہیں آیا تھا وہ اسے تسلی کیسے دے۔

"تو تمہیں تو ابھی ان کے پاس ہونا چاہیے" اس نے کچھ سوچ کر کہا تھا۔ "میرے بابا کراچی میں ہوتے ہیں۔

ان کی وہاں جاب ہے یہاں سے تو بہت دور پڑتا ہے میں نہیں جا سکتا" اس نے مدعا بیان کیا تھا۔ "چلو تم ٹینشن نہ لو ان کے لیے دعا کرو اللہ انہیں جلد صحت یاب کر دے گا۔

"اس نے کیفی کا کندھا تھپتھپایا تو وہ ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اسے کرنٹ سا محسوس ہوا تھا۔ گل نے بھی کسی احساس کے طور پر ہاتھ فوراً ہی ہٹا لیا۔ "تمہارے وہ دوست کہاں ہیں جو اس دن تمہارے ساتھ تھے" اس نے نا جانے کیوں یہ سوال پوچھا تھا۔

"وہ۔۔ وہ تو میرے دوست نہیں ہیں۔ وہ تو بس کلاس فیلوز ہیں۔ میرا ایک ہی دوست ہے وہ میرے ساتھ ہوسٹل میں ہوتا ہے" اس کا ذہن بھٹکانے میں گل اب کامیاب ہوئی تھی اگر وہ ایسے ہی سوچتا رہتا تو ڈپریشن میں چلا جاتا۔ "اچھا وہ کہاں پڑھتا ہے؟" گل نے پوچھا تھا۔

"وہ۔۔ پرائویٹ امتحان دے رہا ہے۔ مڈز کے بعد وہ یہیں داخلہ لے لے گا اس نے مجھے بتایا ہے" گل اس کی باتیں سنتی اس کے ساتھ رک گئی تھی جبکہ جیا کیفے کے کاؤنٹر پر کھڑی جوس خرید رہی تھی۔

"گل، کیفی تم لوگوں کے لیے بھی لے آؤں کیا؟" اس نے دور سے کہا تھا۔ گل نے ہاتھ جھلا کر ہاں کہا تھا۔ کیفی نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"ن۔۔۔ نہیں مجھے نہیں چاہیے" اس نے گل سے فوراً کہا تھا کہ کہیں وہ اس کے لیے بھی جوس خرید نہ لیں۔ "دیکھو کیفی تم بہت زیادہ ٹینس ہو کچھ ریفریشمنٹ تو چاہیے ہے تمہیں انکار مت کرو" گل نے

اسے سمجھانے کے سے انداز میں کہا تھا۔ وہ اس بار انکار نہیں کر سکا تھا۔ اب وہ تینوں میز کے گرد بیٹھے تھے۔ دائیں طرف گل اور جیا اور گل کے بلکل سامنے کیفی۔ گل جوس پیتی چور نظروں سے کیفی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سر جھکائے اپنے پہلو میں گرے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ گل کو ایک پل کے لیے لگا تھا جیسے وہ حنان ہو اور کسی خواب کی سی کیفیت میں وہ اب اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ بلکل حنان کے جیسا لگ رہا تھا جیسے جب حنان پریشان ہوتا تھا تو وہ دیوار سے لگ کر سر جھکا دیتا تھا۔ اسے وہ دن یاد آیا تھا جب سلمہ بی کو شدید کھانسی تھی اور وہ ٹھیک سے بول نہیں پا رہیں تھیں۔ گل اور حنان ان کے پاس بیٹھے تھے۔ گل اب ان کو پانی دے رہی تھی۔ حنان کو لگا تھا وہ ابھی رو دے گا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر باہر آ گیا تھا۔ گل نے یہ دیکھا تو وہ اس کے پیچھے لپکی۔ وہ چودہ سالہ حنان اب دیوار سے ٹیک لگائے سر جھکائے ہوئے تھا اور اس کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ رہے تھے۔ گیارہ سالہ گل نے اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔ اور آج کیفی کی وہ حالت دیکھ کر وہ ایک بار پھر گیارہ سالہ گل بن گئی تھی جس نے چودہ سالہ حنان کا کندھا تھپتھپایا تھا۔ مگر وہ حنان نہیں تھا۔ وہ تو کیفی تھا۔

"آ۔۔پ آپ کو کیا ہوا ہے؟" کیفی کی آواز نے اسے چونکایا تھا۔ وہ نا جانے کب سے کیفی کو اس طرح سے دیکھ رہی تھی۔

"ن۔۔نہیں کچھ نہیں" اس نے اچانک سے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں میرے لیے میں ٹھیک ہوں اب" وہ گل کو تسلی دے رہا تھا۔ وہ بلکل حنان کی طرح تسلی دیتا تھا۔ وہ کیوں اسے حنان کی یاد دلا رہا تھا۔ اسکے اس انداز سے اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

"اوکے۔۔م۔۔ میں چلتی ہوں کل کے پیپر کی تیاری بھی کرنی ہے" وہ کہہ کر اپنا فون اٹھاتی وہاں سے جانے لگی تو جیا نے اس کو روکا تھا۔ "رکو گل کہاں جارہی ہو تم نے آج میرے ساتھ جانا تھا" اس نے یاد دہانی کروائی تھی۔ "ہاں چلو پھر چلیں" گل نے اسے کہا تھا۔ وہ لوگ اب کیفی کو خدا حافظ کہتی باہر آ گئیں تھیں۔

شام کے پانچ بجے تھے۔ دن اب ڈھل رہا تھا۔ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ کافی کے خالی برتن میز سے اٹھاتا اندر آیا تھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے اب وہ کھڑا دن کا حساب لگاتا مصروف سا لگ رہا تھا۔ اس نے ریجسٹر بند کیا اور کیفے کی تمام لائٹس آف کرنے کے بعد وہ دروازہ باہر سے لاک کر کے روڈ پر پیدل چلنے لگا۔ وہ۔ اس کیفے میں ایک سال سے کام کرتا تھا۔ اس کا گھر اور کیفے میں بس ایک کلومیٹر کا فاصلہ تھا تو وہ اکثر وہاں پیدل ہی جایا کرتا تھا۔ اس نے فون ملا کر کان سے لگایا۔

" اسلام وعلیکم سر" اس نے فون کیفے کے مالک کو ملایا تھا۔ "چند لمحہ دوسری طرف کی بات سن کر اس نے سر ہلایا۔ "جی سر میں کل آپ کے پاس آجاؤں گا" اس نے فون جیب میں ڈالا اور سر جھکائے چلتے گیا۔ اگلے دن وہ تیار ہو کر سر کے آفس آ گیا۔ اس نے جو بات سوچی تھی وہ اس نے آج بالآخر کرنے کا سوچ لیا تھا۔ اس نے نوک کیا تو سر نے اسے اندر آنے کا کہا۔ "ہاں سناؤ کیا حال ہیں حنان" سر نے اس کو دیکھتے ہی خوش اخلاقی سے پوچھا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا ان کا کیفے پہلے سے زیادہ ترقی کر رہا تھا۔ اور سر اس کی پرفارمنس سے بہت زیادہ خوش تھے۔ "سر میں ٹھیک۔ الحمدللہ۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی" اس نے سر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں بولو کیا بات ہے" "سر میں یہ جاب چھوڑنا چاہتا ہوں" اس نے کہا تو سامنے بیٹھے شخص نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ "کیوں بیٹا تمہیں تو اس جاب کی ضرورت تھی" حنان نے اب سر جھکا لیا تھا۔

"سر میں یہ جاب اپنی ماں کے لیے کر رہا تھا اب وہ اس دنیا میں نہیں رہیں مجھے اس جاب کی کوئی ضرورت نہیں ہے" انہوں نے اب فائل ایک طرف رکھی اور فکرمندی سے حنان کو دیکھا۔ "لیکن بیٹا تمہیں خود بھی تو ضرورت ہوگی پیسوں کی۔" وہ سنجیدگی سے اپنی بات کر رہا تھا۔

"سر آپ جانتے ہیں میں اپنی زندگی میں گولز کے ساتھ چلتا ہوں میں جو کام کرتا ہوں اس کو اصولوں سے لے کر چلتا ہوں" اختر صاحب اس سے متاثر ہوئے بنا کبھی نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ ہمیشہ انہیں ایسے ہی لاجواب کر دیتا تھا۔

"حنان بیٹا تم تو مجھے حیران کر دیتے ہو ہمیشہ۔ خیر ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ میں ریزگنیشن لیٹر پر سائن کر دیتا ہوں۔" انہوں نے سائن کر کے لیٹر حنان کو دے دیا تھا۔ "نوجوان مجھے تم پر پورا بھروسا ہے تم زندگی میں بہت آگے تک پہنچو گے۔ تمہاری ایمانداری اور نیک نیتی تمہیں ایک دن بڑا انعام دے گی۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں" وہ مسکرا کر انہیں شکریہ کہتا باہر آگیا تھا۔ آج یونیورسٹی کا نیا سمسٹر سٹارٹ ہونا تھا۔ وہ جلدی سے بالوں کو کنگھا کیے۔ اپنا روایتی سادہ ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ بیگ اٹھا کر وہ باہر نکلی تو فرحان صاحب بھی آفس کے لیے جانے کو تیار تھے۔

"چلو بیٹا میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں" انہوں نے مسکرا کر گل سے کہا تھا۔ "اوکے بابا" وہ بھی کھلکھلاتی

ہوئی سیڑھیاں اترتی نیچے آ گئی تھی۔ وہ ابھی یونیورسٹی کے دروازے پر ہی پہنچ کر گاڑی سے اتری تھی کہ جیا اسے لینے آئی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اندر آ گئیں تھیں۔ آج تمام نئے سبجیکٹس کا انٹرو ہونا تھا۔ وہ لوگ کلاس میں ہی رہیں تھیں۔ پھر فری لیکچر میں وہ باہر آ گئیں تھیں۔ وہ باہر گراؤنڈ کی طرف جا ہی رہیں تھیں جب کسی نے انہیں آواز دی تھی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو وہ کیفی تھا جو انہیں آواز دے رہا تھا۔

"یہ کیوں بلا رہا ہے؟" جیا نے گل سے کہا تھا۔

"چلو چل کر دیکھتے ہیں" وہ دونوں اس کی طرف بڑھ آئیں۔ "کیسے ہو کیفی تم" گل نے مسکرا کر اس سے پوچھا تھا۔

"میں بلکل ٹھیک ہوں۔ مجھے آپ کو کسی سے ملوانا تھا" وہ ان سے بہت خوش ہو کر کہہ رہا تھا۔ "ملوانا تھا؟ لیکن کس سے؟" گل کو واقعی حیرت ہوئی تھی۔

"میرا دوست جس کے بارے میں میں نے آپکو بتایا تھا۔" وہ کلاس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔ گل نے اندر دیکھنا چاہا تھا۔ اس کے لیے ایک جھلک ہی کافی تھی۔ کیونکہ جو اندر بیٹھا ہوا تھا وہ اس کا وہم ہی ہو سکتا تھا۔ اس نے کیا واقعی اسے دیکھا تھا۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بھلا یہاں کیسے آ سکتا تھا۔ گل تم آج ٹھیک نہیں ہو۔ اس نے اپنے آپ سے ہی کہا تھا۔

"آپ اندر آئیں وہ اندر ہی ہے" ہاں وہ اندر ہی تھا۔ بلکل ویسا ہی انداز جیسا پانچ سال پہلے ہوتا تھا۔ وہی گھنے بال، کہنیوں تک موڑے ہوئے بازو ویسی ہی سیاہ جینز اور سفید شرٹ، وہی بھوری آنکھیں۔ وہ

اسے کبھی کسی بھی زمانے میں دور سے پہچان سکتی تھی۔ وہ بلکل نہی بدلا تھا۔ "حنان" اس نے سرگوشی میں کہا تھا مگر اس کی آواز قدرے اونچی تھی۔ کیفی نے اس کے منہ سے یہ نام سنا تو حیرت سے اسے دیکھا۔

"آپ کو کیسے پتہ کہ میرے دوست کا نام حنان ہے؟" اس نے حیرت سے گل کی طرف دیکھا تو وہ ہڑبڑا گئی۔

"ن۔۔ نہیں وہ تم نے ایک دفعہ ذکر کیا تھا" اس کو نہیں معلوم تھا کہ وہ اتنا اونچا بولی تھی۔

"ا۔۔ اچھا حیرت ہے میں ایسے تو نام نہیں لے لیتا۔ لیکن خیر شاید میں نے بتایا ہو" اس نے خود سوچنے کے سے انداز میں کہا تھا۔ وہ جب اس کی طرف آئے تو اس نے سر اٹھا کر محض کیفی کو دیکھا تھا۔ اس نے ابھی تک گل کو نہیں دیکھا تھا۔

"حنان یہ میری دوست ہیں جونئیر ہیں اور یہ حنان ہے میرا سب سے پرانا دوست" اس نے دونوں طرف کا باہم تعارف کروایا تھا۔ حنان نے سر اٹھا کر گل اور جیا کو دیکھا تھا۔ اس کی نظریں جیا سے ہوتے ہوئے گل کی طرف گئیں تھیں۔ گل نے بمشکل سانس لیا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں پہچان کی کوئی رمک نہیں تھی۔ کیا وہ اسے نہیں پہچانا تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔ "اوہ میں نام بتانا تو بھول ہی گیا۔ یہ جیا ہے اور یہ گلنار زہرا عرف گل" اس نے اب نام کے ساتھ تعارف کروایا تھا مگر حنان کے چہرے پر پہچان کے کوئی آثار نہ تھے۔ "اسلام و علیکم میں حنان ہوں کیفی کا دوست" اس نے انتہائی مہذبانہ طور پر اپنا تعارف کروایا تھا۔ اس دوران اس نے ایک بار دونوں کو دیکھا تھا اور پھر سر جھکا لیا تھا۔ وہ ایسا کیوں

ہو گیا تھا۔اسے ایسے پہچان نہیں ہو رہی تھی مگر اس کے نام سے بھی اس کی آنکھیں نہیں چمکیں تھیں۔ ایسا کیوں تھا۔ وہ ایسا کیوں ہو گیا تھا۔ وہ اس پل گل کو دنیا کا سب سے مغرور اور خود غرض انسان لگا تھا۔

"آ۔۔آپ سے مل کر اچھا لگا" گل نے بھی بلکل اسی اجنبیت کے انداز میں کہا تھا۔ اس کا دل کرچی کرچی ہوا تھا۔ مگر اس پل اسے اپنے دل کی کرچیوں کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ تو اس اجنبی شخص کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔ وہ کیسے رخ پھیرے کھڑا تھا۔ وہ کتنی جرات سے اس کے سامنے خود کو ایک اجنبی پیش کر رہا تھا۔ گل کو لگا کہ اب اگر وہ مزید ایک پل بھی یہاں رکی تو اس کا سانس لینا محال ہو جائے گا۔

"جیا آؤ چلیے کلاس کا ٹائم ہونے والا ہے "اس نے جیا کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ کھینچتی باہر نکل آئی۔

"یار گل ایک تو ہر دومنٹ کی فرینکنس کے بعد تمہارا میٹر گھوم جاتا ہے" اس نے گل سے شکایت کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ گل کو کب کسی سے گھلنا ملنا نہیں ہو تو وہ ایسے ہی بہانا کر کے وہاں سے آجاتی تھی۔اس بار بھی اس نے یہی کیا تھا۔ مگر اس بار معاملہ کچھ اور تھا۔ وہ جیا کو پہلی بار کسی بات سے پردے میں رکھنا چاہتی تھی۔ وہ صرف جیا کو ہی نہیں بلکہ خود کو بھی اس بات سے پنہاں رکھنا چاہتی تھی۔ مگر وہ کیسے جانتی کہ جو دل میں بستے ہیں ان سے چھپنے کے لیے سانسیں تک روکنی پڑتی ہیں۔

"یار کتنا ہینڈسم تھا نہ کیفی سے بھی ایک پوائنٹ آگے۔ میں تو اس یونیورسٹی میں کیفی کو ہی سب سے ہینڈسم مانتی تھی اب تو پہلا نمبر حنان کا ہے۔اور تمہیں کیا پڑی تھی ابھی آدھا گھنٹہ پڑا ہے اگر ہم کچھ دیر اور ان کے ساتھ بیٹھ جاتے تو کیا ہو جاتا ہاں۔؟اتنا شریف سا لڑکا لگ رہا تھا۔ میں تو سوچ رہی تھی ایک میری پیاری گلنار اور یہ سب سے ہینڈسم لڑکا حنان تم دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر تو چاند بھی شرما جائے گا" وہ نا جانے کیا کیا بولی جا رہی تھی۔ گل کو اس کی آخری بات پر اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہوا تھا۔ وہ

نہیں جانتی تھی کہ انجانے میں کہے جانے والے یہ الفاظ گل کی زندگی میں ایک کانٹے دار خار کے اور کچھ نہ تھی۔

"جیا چپ کر جاؤ اور آئندہ ایسی فضول بات کرنے سے پہلے سو بار سوچنا" اس نے انتہائی سختی سے جیا کو کہا تو جیا نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ "تمہیں کیا ہوا ہے گل تم تو بہت ہی غصے میں لگ رہی ہو آج سے پہلے تو تم نے کبھی مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی" اس نے گل سے آہستہ سے کہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ گل کو کوئی پریشانی تو ضرور تھی ورنہ وہ اس لہجے میں تو کبھی کسی سے نہیں بولی تھی۔

"ن۔۔ نہیں آئی ایم ریئلی سوری میں بس وہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے اسی لیے" اس نے جلدی سے بہانا بنایا تھا۔ "ارے ایسے بات تھی تو پہلے بتانا تھا۔ آؤ ہم کیفے چلتے ہیں تم کافی پیو گی نا تمہیں فوراً سے آرام آ جائے گا" اس نے چٹکی بجا کر گل کو مسکرا کر کہا تھا۔ گل بھی اس کی بات پر مسکرا دی تھی۔ جیا اور گل کی دوستی میں کبھی کوئی سرد مہری نہیں ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ ہی ایک دوسرے کے ساتھ چلتی تھی۔ اگر ایک کوئی سرد بات کر دیتی تو دوسری اس کو بجھانے کی قائل تھی۔ وہ دونوں دوستی جیسے رشتے سے آگے بہنوں کی طرح رہتی تھیں۔ کبھ کوئی دراڑ یا خلش ان دونوں کے راستے جدا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دونوں ایسی ہی تھیں۔ اب بھی جیا نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کے لیے اسے ایسے کہا تھا اور وہ واقعی مسکرا دی تھی۔ وہ اب کیفے کی طرف بڑھ گئیں تھیں۔ کیفے میں ابھی اکا دکا میز پر کچھ سٹوڈینٹس بیٹھے تھے۔ وہ کھڑکی کے ساتھ والی میز پر جا بیٹھیں تھیں۔ جیا نے گل اور اپنی کافی آرڈر کی اور خود گل کے ساتھ جا بیٹھی تھی۔

"گل یار تمہیں مجھے تو بتانا چاہیے تھا نہ کہ تمہارے سر میں درد ہے میں بلاوجہ تمہارا سر کھا رہی تھی" اس نے گل سے شکایت کی تھی۔

"ہاں ائی ایم سوری" جیا نے سر دائیں بائیں ہلایا تھا جیسے اسے مایوسی ہوئی ہو.

"یہ کب سے ہمارے درمیان فارمیلٹیز لانے لگ گئی۔ سوری اور تھینک یو تو دوستی کے سخت خلاف سی بات ہے۔ آئندہ مت کہنا" اس کی اس بات پر ایک بار پھر گل کو ماضی کے رنگوں میں دھکیلا تھا۔ حنان۔۔۔ وہ بھی اس سے یہی کہا کرتا تھا۔ مگر وہ یہ سب کیوں سوچ رہی تھی یہ اب بس ایک ماضی تھا۔ اسے تو وہ یاد تک نہیں تھی۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ جیا نے اس کے سامنے بھاپ اڑاتا کافی کا کپ رکھا تھا۔

"لو جی تمہاری کافی" اس نے کہا اور خود اپنی کافی اپنے سامنے رکھے سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اسی وقت ایک جانی پہچانی آواز ان دونوں کے کانوں میں پڑی تھی۔ گل کا رخ دروازے سے دوسری جانب تھا۔ مگر جیا کا رخ کیفے کے دروازے کے بلکل سامنے تھا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

"اوہ کیفی لوگ یہاں آئے ہیں" اس نے حیرت انگیز مسکراہٹ سے ان کی جانب دیکھا تھا۔ مگر گل ان کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کیا حنان بھی اس کے ساتھ تھا۔ "حنان تو واقعی بہت ہی ہینڈسم ہے" جیا نے ایک بار پھر کہا تھا۔ اب تو یہ بات کنفرم تھی کہ حنان بھی ساتھ تھا۔ ہاں تو ظاہر سی بات تھی وہ دونوں دوست ہیں تو انہوں نے ایک ساتھ ہی ہونا تھا۔ مگر وہ کیفے ہی کیوں آئے تھے۔ گل کے دل میں بہت سے سوال اٹھے تھے۔ وہ اپنے آپ سے شکایت کر رہی تھی کہ وہ یہاں کیوں آئی تھی۔ تبھی کیفی ان کی ٹیبل کی

طرف بڑھا تھا۔ "اوہ ہیلو تم لوگ بھی یہاں ہو" کیفی نے مسکرا کر کہا تھا۔ گل نے اوپر نہیں دیکھا تھا۔ وہ بس خاموشی سے اپنی کافی کے سپ لیتی رہی۔

"ہیلو نائس ٹو میٹ ہو اگین" جیا نے مسکرا کر کہا تھا۔ کیفی کے ساتھ کھڑا وہ اضطراب کی حالت میں اب کیفی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ بہت ہی آہستہ سے کیفی کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

"بہت اچھا لگا آپ کو یہاں دیکھ کر۔ ہم اب چلتے ہیں وہ حنان کو کہیں جانا ہے" کیفی کہہ کر اب باہر نکل آیا تھا۔ حنان بھی اس کے ساتھ ہی باہر گیا تھا۔ اچانک ہی وہ دونوں بہت جلدی میں وہاں سے گ ئے تھے۔ ایسی بھی کیا بات ہو سکتی تھی۔ وہ اب اس کے ساتھ بائیک پر بیٹھا تھا۔ کیفی بائیک چلاتا سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یار ایسی کونسی ایمرجینسی آگئی ہے" اس نے ہوا کے باعث اونچی آواز میں کہا تھا۔

"یار تم نہیں جانتے ایک کلائنٹ ہے اسے میں نے ٹائم دے رکھا تھا آج کا اور آج میں اچانک ہی بھول گیا۔

"چلو میں پہنچا دیتا ہوں تمہیں۔ واپس آؤ گے؟" "نہیں یار اب میں کل ہی آؤں گا" اس نے جواب میں کہا تھا۔ کیفی اسے اس کے گھر چھوڑ کر خود واپس آگیا تھا۔ وہ جیسے ہی اندر آیا تو صوفے پر وہ بیٹھا تھا۔ حنان نے اسے دیکھا تو وہ گھورنے لگا۔ وہ اب صوفے سے اٹھ کر قدم قدم چلتا اس کی طرف آیا تھا۔

"ہاں تو کیا کر لیا تو نے مجھے دھتکار ہاں بول" وہ حنان کا گریبان پکڑ کر جبڑا بھینچ کر بولا تھا۔ "میرا گریبان چھوڑیں" اس نے اپنے ضبط پر قابو پاتے ہوئے بولا تھا۔

"کیوں چھوڑ دوں میرے تین لاکھ کہاں ہیں" وہ چلا کر بولا تھا۔ وہ پچاس.برس کا ایک سخت جھریوں والی شکل کا شخص تھا۔ وہ حنان کا باپ تھا۔ جب سے سلمی کی موت ہوئی تھی وہ روز ہی اس کے گھر آتا تھا۔ اس کا ناجانے کہاں سے حنان کے اس گھر کا پتہ چل گیا تھا۔ لیکن وہ پچھلے ایک سال سے اس کے گھر آتا تھا۔ اور اس کو پیسوں کا کہہ کر اس کی جان کی دھمکی دیتا تھا۔

"وہ کون باپ بیٹی ہیں جنہوں نے تجھے اور تیری اس ماں کو اپنا ایک گھر ہی دے دیا اور تو آج اس میں عیاشی کرتا پھر رہا ہے" اب کی بار اس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔ "انہوں نے یہ گھر مجھے مفت میں نہیں دیا تھا بلکہ میں نے انہیں اس کی رقم ادا کی تھی" اس نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا تو اتنا پیسہ تیرے پاس کہاں سے آیا ہے ہاں بے وقوف کسی اور کو بنانا" وہ تلخ مسکراہٹ سے حنان کو دیکھ رہا تھا۔ "میں یہ تمہیں بتانے کا پابند نہیں ہوں اور نہ ہی میرے پاس کوئی پیسے ہیں" اس نے اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے رئیس کو کہا تھا۔

"گلنار زہرا۔" اس کے منہ سے یہ نام سن کر ایک دم ہی حنان کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ اس نے جھپٹنے کے سے انداز سے رئیس کی گردن سے اسے پکڑا تھا۔ رئیس کا اب سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ رئیس کا گلا چھوڑا تھا تو وہ کھانسنے لگا تھا۔ پھر کھانستے ہوئے کمینی مسکراہٹ سے حنان کو دیکھا تھا۔

"بس یہی دیکھنا تھا۔ مطلب وہ واقعی تیری وہ بچپن کی محبوبہ ہے۔ اب وہ ہی ایک مہرا ہے میرے لیے۔ بچا سکتا ہے تو بچالے اسے" وہ کہتا ہوا حنان کو کہنی مارتا اس کے ساتھ سے نکل کر باہر چلا گیا اور حنان سرخ آنکھوں سے اسی جگہ دیکھتا رہ گیا جہاں ابھی اس کا باپ کھڑا تھا۔ وہ زئی کو نشانے پر رکھے ہوئے

تھا۔ نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ حنان نے اپنی پوری کوشش کی تھی کہ وہ اب گلنار سے تعلق بڑھا کر اس کے لیے مشکلات کھڑی نہیں کرے گا۔ مگر اس کا باپ تو اس کے ایک ایک قدم پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ بچپن میں جب وہ ایک کمزور لڑکا تھا تب بھی اس کا یہی باپ اس کی زندگی کا ڈکٹیٹر بنا ہوا تھا۔ مگر اب جب وہ زندگی میں کسی مقام پر پہنچنے ہی والا تھا۔ عین اس وقت سے پہلے وہ ڈکٹیٹر ایک بار پھر اس کے راستے میں کانٹے بکھیرے ہوئے تھا۔ اس کو پتہ ہی نہیں چلا تھا کب اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

آسمان پر آج پھر بادل چھائے تھے۔ موسم پچھلے کچھ دنوں کی بدولت آج بہت خوشگوار تھا۔ گل اپنے نوٹس لیے باہر جیا کے ساتھ کوریڈور کے باہر پاؤں کیے بیٹھی تھی۔

"یار آج تو موسم کو دیکھ کر میرا دل چاہ رہا ہے کہ ہم کہیں گھومنے چلیں۔ انور بابا کے گول گپے کھائیں آئے ہائے" وہ جیا کے بات کرنے کے انداز سے مسکرا دی تھی۔ "اچھا جی اور جو سر حمزہ نے ٹیسٹ دیا ہے اس میں فیل ہو جائیں" گل نے بھی اسی کے انداز میں کہا تھا۔ اور پھر نوٹس پر دیکھنے لگی۔

"یار گل تم بھی نہ میں تو چند گھنٹوں کی بات کر رہی تھی۔ باقی دن تو ہم نے پڑھائی ہی کرنی تھی۔ اگر یہ کچھ پل ایسے گزار لیں تو زندگی بھر کی میمریز بن جائیں گی" جیا اپنی ہی دھن میں کہہ رہی تھی۔ اس نے گل کی

طرف دیکھا تو وہ گہری سوچوں میں مگن تھی۔ اس نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

"گل کیا ہوا؟" اس نے کچھ پریشانی سے گل کو دیکھا تھا۔

"ن۔۔ نہیں وہ کچھ نہیں۔ تم نے میمریز کی بات کی تھی نہ" جیا نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔

"تو میں یہ سوچ رہی تھی کہ بعض اوقات ہم جن چیزوں کو خوشگوار تصور کر رہے ہوتے ہیں وہ مستقبل میں ہمارے لیے ایسا بوجھ بھی شمار ہو سکتے ہیں جن کو ہم ہمیشہ کے لیے بھول جانا چاہیں گے" اس نے گل کے اس سنجیدہ انداز پر اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ "خیریت تو ہے اتنی سنجیدہ باتیں کیوں کر رہی ہو" اس نے نا معلوم سے انداز میں ہلکا سا مسکرا کر گل سے کہا تھا۔ "میں نے تو یوں ہی بات کی تھی" گل نے کندھے اچکا کر ہلکا سا مسکرا کر جیا سے کہا تھا۔

"لیکن یہ فلسفہ میرے سر کے اوپر سے گزرا ہے" جیا نے ناک اکھٹا کر کے چڑانے کے انداز میں کہا تھا۔

"یہی کہ انسان میمریز نہیں بناتے میمریز انسانوں کو بناتیں ہیں" گل نے سپاٹ سے انداز میں کہا تو جیا نے اسے چونک کر دیکھا تھا جیسے وہ بوکھلا گئی ہو۔ "گل تمہارے پاس ایسی باتیں کہاں سے آتیں ہیں" اس نے ایک دم سے حیرت سے کہا تھا۔

"تم خود دیکھو جب ہم میمریز بنا رہے ہوتے ہیں یہ سوچ کر کہ ہم آگے جا کر ان کو یاد کر کے خوش ہو نگے۔ مگر کون جانتا ہے کہ آگے جا کر ان میمریز کا کوئی حصہ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے جو ہم سے دور کہیں کھو جائے تو ہم ان میمریز کو یاد کر کے مزید دکھی ہو جائیں۔ حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے جیا" اس نے اس بار نرم انداز سے جیا کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "اوکے میری فلاسفر گل اب پڑھائی کر لیتے ہیں تاکہ پیپر میں بھی کچھ فلاسفی لکھ سکیں" اس نے ایسے انداز سے کہا تھا کہ گل کو ہنسی آگئی تھی۔ اسی پل کیفی ان کی طرف آیا تھا۔ جیا نے پرجوش سے انداز میں کیفی کہا تو گل نے ایک دم سے چہرہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ جس بات کا اسے اندیشہ تھا وہی ہوا تھا۔ حنان بھی کیفی کے ساتھ موجود تھا۔

"ہیلو لیڈیز کیا چل رہا ہے" کیفی نے مسکرا کر کہا تھا۔

"پہلی بات تو ہم لیڈیز نہیں لڑکیاں ہے او کے۔ اور ہم بلکل ٹھیک ہیں۔ ہمیں ڈسٹرب نہ کیا جائے تو بہتر ہو گا کل ہمارا گرینڈ ٹیسٹ ہے" جیا نے اسے جھٹ سے جواب دیا تھا۔ کیفی اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ گل نے ایک پل میں نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ کیسی اتفاق کی بات تھی۔ وہ بھی اس پل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں آج کچھ تھا جیسے کوئی وسوسہ یا کوئی اور بات۔ اس چیز کو گل اس ایک پل میں پرکھ نہیں پائی تھی۔ وہ اب ان بھوری آنکھوں سے سوال کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس سے شکوے کرنا چاہتی تھی۔ مگر کیا وہ اس مقام پر تھی بھی کہ نہیں کہ وہ گلے کر سکے۔ شکوے شکایتیں تو اپنوں سے کیں جاتی ہیں اور اس نے تو اسے پانچ سال پہلے ہی پرایا کر دیا تھا۔ وہ اب سے کچھ پل پہلے والی گل بننا چاہتی تھی جس نے حنان کو اپنے لیے اجنبی تسلیم کیا تھا۔ پھر اس کے سامنے آتے ہی وہ کیوں مضطرب ہو گئی تھی۔ اس کی دھڑکن بڑھتی ہی کیوں جا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے جاتی جیا نے ان دونوں کو بیٹھنے کی آفر کر دی تھی۔ اس نے گھور کر جیا کو دیکھا تھا۔ جیا بس ہلکا سا مسکرا دی تھی۔ اور گل کو اس کی اس حرکت پر اسے جوتے لگانے کا دل چاہ رہا تھا خیر اس جیا کی بچی کو تو وہ اب بعد میں بتائے گی۔

"کیسی ہیں آپ گلنار؟" یہ عجیب بات تھی کی حنان نے اس سے بات کا آغاز کیا تھا۔ وہ تو اس سے بات نہ کرنے کا عہد کر کے بیٹھی تھی مگر اس نے گفتگو ہی اس کے نام سے شروع کی تھی۔ "میں ٹھیک ہوں" اس نے مختصر جواب دیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اب موضوع کسی دوسری جانب چلا جائے ورنہ اس کا یہاں بیٹھنا اس کے لیے کٹھن ہو جائے گا۔

"اچھا لگا یہ جان کر کہ آپ ٹھیک ہیں" اس نے مسکرا کر اسی اجنبی انداز میں کہا تھا۔ گل کو اس کا یہ اجنبی لہجہ اب زہر لگ رہا تھا۔ اس نے پھیکی سی مسکراہٹ سے سر کو خم دیا تھا۔ وہ مزید کچھ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جیا تم تو پڑھ بھی نہیں رہی تمہارے پاس تو نوٹس ہی نہیں ہیں وہ تو گل ہیں جو سنجیدگی سے پڑھ رہی ہیں" کیفی نے اس ماحول کے تناؤ کو ہلکا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں ہم ایک ہی نوٹس سے پڑھ رہیں ہیں" جیا نے گل کے نوٹس کو ہاتھ لگا کر گویا اپنی بات کا یقین کروایا تھا۔

"واہ بھئی بہت بھائی چارے سے کام ہو رہا ہے" کیفی نے ہنس کر کہا تھا۔ جیا نے اس کو ترچھی آنکھ سے دیکھا تھا۔ "اچھا آپ لوگ پڑھیں میں پھر چلتا ہوں" حنان نے مسکرا کر کہا تھا پھر جانے کے لیے کھڑا ہوا تو ایک پل کے لیے رک کر گل کو دیکھا تھا۔ گل البتہ اپنے نوٹس پر دیکھ رہی تھی مگر وہ اس کی نظروں کی تپش کو بھانپ گئی تھی۔ دل ہی دل میں اس نے خود سے کئی سوال کیے تھے۔ وہ اب کیوں رکا تھا۔ وہ اسے نہیں پہچانتا تھا پھر وہ بار بار اس سے ہی کیوں بات کر رہا تھا۔ وہ جتنی دیر وہاں بیٹھا تھا اس نے صرف گل کو دیکھا تھا۔ کل جب وہ اسے ملی تھی تب تو وہ اسے ایک ہی پل دیکھ کر گردن جھکا گیا تھا۔ مگر آج وہ ایسے کیوں کر رہا تھا۔ کیوں گل کے جذبات سے کھیل رہا تھا۔ وہ اس سے جتنی محبت کرتی تھی اب اتنی ہی نفرت کرنے لگی تھی۔ وہ آج سے پانچ سال پہلے والا لڑکا جس نے اسے زندگی کی نئی راہیں دکھائیں تھیں آج اس کے لیے خود کو اجنبی کر گیا۔ وہ کچھ پل گل کو دیکھتا رہا۔

"آپ اپنا خیال رکھا کریں" اس نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر جیبوں میں ہاتھ ڈالتا وہاں سے چلا

گیا۔ وہ سانس تھامے وہیں بیٹھی تھی۔ جیا اور کیفی موبائل پر کوئی ویڈیو دیکھ رہے تھے انہوں نے حنان کی بات نہیں سنی تھی۔ وہ اب کلاس میں واپس آ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے پیچھے کیفی بھی آیا تھا۔

"ہاں اب مجھے بتا کہ میرے پرپوز کرنے کا صحیح وقت کونسا ہو گا۔" کیفی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم اس سے کتنی محبت کرتے ہو؟" حنان نے سر جھکایا ہوا تھا اور اس سے سپاٹ سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے یار میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں اس نے پوری یونیورسٹی کے سامنے میری بے عزتی کی مگر میں چپ چاپ سہہ گیا اس سے بڑا محبت کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟" کیفی نے بھرپور انداز میں اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔

"تم اسے پروٹیکٹ کرنے کے لیے کیا کر سکتے ہو؟" حنان نے ایک اور سوال رکھا تھا۔ کیفی نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ اس سے اتنے سوال کیوں کر رہا تھا۔ "میں اسے پروٹیکٹ کرنے کے لیے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں" اس نے کہا تو حنان نے تلخ مسکراہٹ سے اسے دیکھا تھا۔ کیفی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اب اسے ایسے کیوں دیکھ رہا تھا۔

"میں جانتا تھا تمہارا جواب یہی ہو گا۔ مگر کیفی جان دینا تو پروٹیکٹ کرنے کے معنوں میں نہیں آتا ہے۔ یہ تو بزدلی کی نشانی ہوتی ہے۔ کیا تم زندگی کے کسی موڑ پر اس کی جان بچانے کی خاطر اس کو ہمیشہ کے لیے بھلا سکتے ہو؟" اس بار حنان کے چہرے پر تلخ تاثرات تھے۔

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہو میں اسے بھلا دوں یہ تو نا ممکن ہے" کیفی نے فوراََ ہی اس کی بات کی مخالفت کی تھی۔

"اس دنیا میں کچھ بھی نا ممکن نہیں ہے ہاں لیکن مشکل ضرور ہے" کیفی کو اس کی باتیں آج سے پہلے کبھی اتنی تلخ نہیں لگیں تھیں۔ "ل۔۔ لیکن اگر میں ایسا کرتا بھی ہوں تو اسے کتنی تکلیف ہو گی یار وہ تو پھر بھی خوش نہیں رہ سکے گی" کیفی نے کہا تو اس کی آواز میں لرزش تھی۔ حنان نے اس کی آواز کی لرزش کو محسوس کیا تھا۔ یہ ایک تڑپ تھی جو اس کے درد کو عیاں کر رہی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ اس کی محبت سچی تھی۔ کیا ہوا اگر دو لوگوں کو ایک ہی شخص سے محبت ہو جائے وہ بھی سچی۔ قربانی کسی ایک تو دینی پڑتی ہے۔ حنان کے پاس دو راستے تھے۔ دونوں پر کھڑے ہوئے لوگ اس کے دل میں بستے تھے۔ اب اس کو کسی ایک کی قربانی دینی تھی۔ اس کا امتحان کڑا تھا۔ "اس کو تکلیف ہو گی مگر اتنی نہیں جتنی اگر تم اسے بھلائے بغیر دشمنوں کو اپنے مورچے کی راہ دکھاؤ گے جہاں وہ تمہارے ساتھ ہو گی" اس نے اپنی

آخری بات کی تھی اور اب پروفیسر آ چکے تھے۔ مگر کیفی کی سوچ حنان کی آخری بات میں الجھی ہوئی تھی۔

اس وقت چار بجے تھے۔ سڑک پر اکا دکا موٹر سائیکل یا گاڑی گزر رہی تھی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے چلتا جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کئی الجھنوں کا بسیرا تھا۔ اسے زئی کو بچانا تھا۔ وہ اس کی زندگی کو تباہ نہیں ہونے دے گا۔ اس نے یہ بات ٹھان لی تھی۔ تبھی اس کا فون بجا تھا۔ اس نے دیکھا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے یہ نمبر سیو نہیں کیا تھا مگر وہ اس نمبر کے استعمال کرنے والے کو اچھے سے جانتا تھا۔ اور کیسے نہ جانتا وہ شخص اسے پچھلے ایک سال سے تنگ کر رہا تھا۔ اس نے فون ملا

کر کان سے لگایا۔ "ہاں بول میرے پیسوں کا کیا بنا" اس شخص کی آواز اس کے لیے وبال سے کم نہ تھی۔ وہ اس کی آواز سن کر چند پل خاموش رہا۔ "میں نے پیسے نکلوا لیے ہیں" اس نے مختصر جواب دیا تھا۔ "میں آرہا ہوں" اس نے کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔ حنان نے فون واپس جیب میں ڈالا اور چلتا رہا۔ اسے آج اپنا آپ ایک بار پھر ویسا لگا تھا جیسے اس تیرہ سال کی عمر میں لگا تھا۔ بے بس اور لاچار۔ وہ کر بھی اور کیا سکتا تھا۔ اس شخص نے قسم کھائی تھی کہ وہ حنان سے وہی چھینے گا جو اسکا سب کچھ ہو گا۔ اس نے اس کی ماں کو اس سے چھین لیا۔ اب وہ اس سے گلنار کو بھی چھین لینا چاہتا تھا۔ گلنار اس کے لیے اب اس اندھیر کوٹھڑی میں اس ایک بند کھڑکی کی مانند تھی جسے عبور کر کے وہ آگے گیا تو پھر وہ اس کھڑکی کو اژدھوں کے لیے بھی بند نہیں کر سکے گا جو اس کھڑکی کی طاق لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ ہر گز اس کھڑکی کو نہیں کھولے گا۔ اس نے یہ بات اپنے دل کو سمجھالی تھی۔ مگر کیا وہ اس فیصلے پر قائم رہ پائے گا۔ وہ گیٹ سے اندر آیا اور دروازہ بند کرتا لیونگ روم کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اس شخص کے ساتھ ایسا کیا کرے کہ وہ اسے زندگی کے کچھ پل خوشی سے جینے دے۔ زندگی میں کبھی کبھی تو اسے اس شخص کا سوچ کر اتنی گھٹن محسوس ہوتی تھی کہ اس کا دل چاہتا تھا وہ اسے مار ڈالے۔ لیکن جس کی ماں ہی اس شخص سے آخری سانس تک محبت کرتی آئی تھی۔ اس کے سو بار دھتکارنے پر بھی سلمہ اسے مسکرا کر جواب دیتی تھی۔ حنان اگر کوئی ایسی بات کر دیتا جو اس کے باپ کے خلاف ہوتی تو وہ اسے بے انتہا ڈانٹتی۔ "بیٹا رئیس ایک اچھا انسان تھا۔ اس نشے کی لت نے اس کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اہ میرا شوہر ہے۔ میں جانتی ہوں وہ مجھ سے اور تجھ سے بہت محبت کرتا ہے" جب وہ بڑا ہو گیا اکثر اپنی ماں سے رئیس کی بات پر تکرار کرتا اور آخر میں سلمہ اس اے یہ کہہ کر بات ختم کر دیتیں تھیں۔ وہ ہار جاتا تھا۔ پھر اس نے بہتر یہی جانا کہ وہ اس موضوع پر بات ہی نہ کرے۔ اس کی ماں کا تعلق تو دونوں سے محبت کا تھا۔ وہ کون ہوتا تھا اپنی

ماں کو اس کے محبت کے خلاف کرنے والا۔ اس نے بچپن سے ہی سلمہ کے لبوں پر رئیس کے نام لیتے ہوئے مسکراہٹ ہی دیکھی تھی۔ سلمہ نے اس شخص کے ساتھ اپنے والدین کی مرضی سے شادی کر کے اپنا گھر بسا کر اس جیسے شخص کے ساتھ جو اسے تک بیچ کے کھا سکتا تھا ایک نہایت اعلیٰ تربیت اعلیٰ بیٹی ہونے کا حق دیا کیا تھا۔ پھر رئیس کے ساتھ اس حد تک محبت اور اس کی فرمانبرداری میں وہ ایک اچھی بیوی ثابت ہوئی تھی۔ وہ حنان کو دنیا کے اچھے برے بتانے کے ساتھ اسے ایک ادب کرنے والا اور اخلاقی طور پر مضبوط نوجوان بنانے میں کامیاب رہیں تھیں۔ سلمہ اس کی کل کائنات تھی۔ وہ اپنی ماں کے علاج کے لیے پیسہ جمع کر رہا تھا۔ وہ پرائیوٹ امتحان دے کر تین تین جگہوں پر نوکری کر کے پیسے جمع کر رہا تھا تاکہ اس کی ماں کا علاج ہو سکے۔ وہ دن میں ایک بینک کلرک کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ شام جو چار سے چھ کیفے میں اور رات کو فنکشن مینجر کے طور پر جہاں کہیں کوئی فنکشن ہوتا اس کی مینیجمنٹ کا کام کرتا تھا۔ اس نے تین سال یہ جابز کی تھیں۔ سلمہ کا علاج ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اب ان کی اک تھائرائیڈ سرجری ہونی تھی جس کے لیے اسے پانچ لاکھ کی ضرورت تھی۔ اس کو اسی دن ہی سیلری ملی تھی اور پورے پانچ لاکھ بھی ہو گئے تھے۔ وہ خوش تھا کہ آج اس کی ماں کا علاج ہو جائے گا۔ اس نے سوچا تھا وہ اپنی ماں کا علاج کروا کر یہ شہر چھوڑ کر سلمہ کو لے کر کہیں اور چلا جائے گا۔ مگر وہ جیسے ہی ہاسپٹل پہنچا تو ڈاکٹرز نے اسے بتایا کہ وہ اس کو بچا نہیں پائیں گے۔ وہ اسی وقت کمرے میں داخل ہوا تو اس کی ماں بیڈ پر لیٹی چھت کو دیکھ رہیں تھیں۔ ان کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ حنان نے ڈاکٹرز سے منتیں کی تھیں کہ وہ اس کی ماں کی سرجری کر دیں مگر ان کا کہنا تھا ٹائم اپ ہو گیا ہے اور اب کوئی سرجن اویلیبل نہیں ہے۔ اس نے اپنی تڑپتی ہوئی ماں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگا تھا۔ آنسو اس کے دونوں گالوں ہر متواتر بہہ رہے تھے۔ وہ اپنی ماں کو خود سے دور جاتا دیکھ رہا تھا۔ جو بات اس نے

کبھی سوچی بھی نہیں تھی اس کے سامنے ہی آج وہ درد ناک منظر ہونے جا رہا تھا۔ اس نے اپنی ماں کے قریب جا کر ان کا ماتھا چوما تھا۔ "امی آپ ایسے نہیں جا سکتی۔ آپ۔۔ کیسے مجھے اکیلا کر سکتی ہیں۔۔۔ امی میں آپ کے بغیر کیسے زندہ رہوں گا" وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا تھا۔ اس وقت اس کی ماں نے بس ایک جملہ بولا تھا اپنی آخری سانس نکلنے سے پہلے۔

"بیٹا۔۔۔م۔۔میں تم سے۔۔۔ا۔۔۔اور ر۔۔۔۔رئیس دونوں سے محبت کرتی ہوں تم اپنے ب۔۔۔۔باپ سے میرے بعد کبھی نہیں ل۔۔۔۔لڑو گے" اور اس کے بعد حنان کے ہاتھوں میں موجود ان کا ہاتھ بے جان ہو گیا تھا۔ حنان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ وہ مسلسل تین دن خود کو کمرے میں بند رکھے رہا تھا۔ جیسے ہی شام ہونے لگتی اور وہ کمرہ اندھیروں میں ڈوبنے لگتا تو اس کو وحشت ہونے لگتی۔ وہ کئی کئی گھنٹے سر گھٹنوں میں دے کر بنا آواز کے روتا تھا۔ پھر چوتھے دن اس نے کیفے جانا شروع کیا۔ وہ اس تلخ زندگی سے اب مزید منہ چھپا کر نہیں جی سکتا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر جینے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جس ماں کا بیٹا تھا اس کو زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ ڈر کر جیے۔

وہ کیفے پہنچا تو وہاں پہلا گاہک کافی خوش مزاج سا لگا تھا۔ دیکھنے میں وہ حنان کی عمر کا ہی لگتا تھا۔ اس نے کافی آرڈر کی اور ساتھ ہی حنان کا تعارف بھی جان لیا۔

"ویسے تم بھی میری طرح سٹوڈنٹ ہی لگتے ہو۔ پڑھتے ہو کہیں؟ " وہ بڑے دوستانہ انداز میں بات کر رہا تھا جبکہ دوسری طرف حنان کا اس وقت کسی سے بات کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ "میں پرائیوٹ امتحان دے رہا ہوں" اس نے مختصر جواب دیا اور کافی مشین آن کر کے کافی بلینڈ کرنے لگا۔

"میرا نام کیفی ہے میں یو او پی میں پڑھتا ہوں" اس نے اب زبردستی اپنا تعارف بھی کروا ہی دیا تھا۔

"میں حنان ہوں" حنان نے اس سے زیادہ کچھ بتانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"حنان ارے واہ کافی اچھا نام ہے۔ چلو میں پھر اتا جاتا رہوں گا" اور اس دن کے بعد سے وہ روز ہی اس پہر حنان کے سر پر آ پہنچتا تھا۔ چند ہی دنوں میں ان دونوں کی کافی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ حنان کو اس کے گھر ڈراپ کرتا کہ وہ پیدل گھر نہ جائے۔اس نے حنان کو کنونس کیا کہ وہ اپنی سہولت کے لیے ایک بائیک ہی رکھ لے۔ حنان نے تقریباً ایک سال بعد اپنے لیے بائیک خریدی تھی۔ کیفی حنان کو کبھی کہیں گھمانے لے جاتا تھا اور کبھی کوئی ڈش ٹرائے کرانے۔ان دونوں کی ایک سال میں گہری بانڈنگ بن گئی تھی۔اب حنان کی زندگی میں اس کا ایک مخلص دوست کیفی تھا جو اسے زندگی کے اندھیروں سے دور روشن وادیوں میں لے گیا تھا۔ وہ کبھی کبھی سوچتا تھا کہ اللہ انسانوں کو ٹف ٹائم کس لیے دیتا ہے؟۔آج اسے وہ بات بھی سمجھ آ گئی تھی۔ اگر انسان سے اللہ اس کی کوئی بہت پیاری چیز لے لیتا ہے تو اسے اس کے صبر سے آزماتا ہے اور اگر انسان اس صبر کے امتحان میں پاس ہو جاتا ہے تو وہ اسے نوازتا بھی ہے۔ اس کی زندگی میں کیفی جیسا دوست اللہ کی نوازش تھی۔ کیفی کے ساتھ رہ کر اسے وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس نے کیفی کو ہمیشہ مسکراتا ہنسی مزاق کرتا اور زندگی سے بھرپور دیکھا تھا۔ وہ سوچتا تھا کیا وہ کبھی اداس نہیں ہوتا تھا یا وہ کسی کو اپنی زندگی کی تلخ حقیقت نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا تھا وہ وہ اس قدر زور سے قہقہے لگا کر اپنے ضمیر کی چیخ و پکار کو دبا دیتا تھا۔ زندگی تو اونچ نیچ کا ہی نام ہے مگر وہ اونچائی پر جا کر جب گہرے اندھیر کنوے میں چھینکتی ہے تو انسان کو اس اونچائی کا خوبصورت منظر ہمیشہ کے لیے بھول جاتا ہے۔اس کو یاد ہی نہیں رہتا کہ وہ کبھی اس منظر کا حصہ بھی تھا۔ایسی خوشی کا کیا فائدہ جس کے بعد غم کی ایک طویل شام ہو۔ اگلی صبح کا سورج تو بہت دیر کے بعد نکلتا ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ

انسان کو خوشی کا صرف ایک پل اور غم کا ایک لمبا عرصہ ملتا ہے۔ اس نے ایک جگہ پڑھ رکھا تھا کہ انسان کو اس دنیا میں خوشی صرف ایک حصہ ملتی ہے اور باقی کے تین حصے صرف غم ملتا ہے۔ وہ اس نا انصافی کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔ آخر انسان کو کیوں حق نہیں ہے کہ وہ ایک خاص حد سے زیادہ خوش نہ رہے۔ انسان، اس کی تقدیر، دنیا والے یہ سب جڑ کر انسان کی زندگی بناتے ہیں۔ انسان تو بس ایک کٹھ پتلی ہوتا ہے جو تقدیر کی انگلیوں پر ناچ رہا ہوتا ہے۔ اسے لگ رہا ہوتا کہ وہ سب فیصلے اپنی مرضی سے کر رہا ہے مگر وہ تقدیر میں پہلے سے لکھا جا چکا ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی ایک موڑ پر جب انسان کو پہلی بار لگتا ہے کہ اس کی مرضی نہیں چل رہی تو وہ اللہ سے رجوع کرتا ہے۔ سچ سچ کتنا خود غرض ہے انسان جو جب تک سب ملتا رہتا ہے تب تک اس کا نام بھی نہیں لیتا جو اسے یہ سب دیتا ہے اور جیسے ہی کسی ایک چیز کی کمی ہو جائے وہ اللہ کو یاد کر لیتا ہے۔ اس دن وہ کیفی کے ساتھ جھیل پر آیا تھا۔ وہ دونوں کرسی سامنے کیے جھیل کی طرف رخ کیے بیٹھے تھے۔ حنان کافی دیر سے سوچوں کے مدار میں اس جھیل کے پانی کو بہتا دیکھ رہا تھا جب اسے کیفی نے کندھے سے ہلایا تھا۔ اس نے چونک کر کیفی کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ہے حنان میں تمہیں کب سے دیکھ رہا ہوں تم ایک ہی جگہ دیکھی جا رہے ہو۔ کوئی پریشانی ہے؟ پیسوں کا مسئلہ ہے تو مجھے بتا دو میں دے دیتا یوں" وہ ہمیشہ کی طرح ایک مخلص دوست ہی ثابت ہوا تھا۔

"نہیں بس ویسے ہی میں آج تھک گیا تھا تھوڑا" اس نے کہا تھا۔ وہ واقعی اپنی ان بہتی سوچوں سے اب تھک گیا تھا۔ وہ مزید کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ ذہنی طور پر تھکنا واقعی انسان کو مکمل طور پر چور کر دیتا ہے۔ یہ جسم کی تھکاوٹ سے زیادہ تھکا دیتی ہے۔ موجودہ دن۔ وہ ابھی صوفے پر بیٹھا تھا جب باہر

گھنٹی بجی تھی۔ وہ اٹھ کر باہر آیا۔ بازو کہنیوں تک پیچھے کرتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا تھا۔ سامنے رئیس کھڑا اپنی خبیث مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ حنان نے جیب سے خاکی لفافہ نکالا اور ایک لفظ کہے بغیر وہ لفافہ اس کے سامنے کر دیا۔ رئیس نے اس کے ہاتھوں سے جھپٹ کر لفافہ لیا جیسے وہ ابھی واپس کھینچ لیتا۔ پھر اس میں سے پیسے نکال کر گننے لگا۔ اس نے گننے کے بعد سخت نظروں سے حنان کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ تو صرف ڈیڑھ لاکھ ہیں باقی کے آدھے کہاں ہیں" حنان نے اس کو سپاٹ تاثرات سے دیکھا تھا۔

"میرے پاس فلحال اتنے ہی ہیں باقی بعد میں دوں گا" اس نے سرد سے لہجے میں کہا اور دروازہ بند کرنے ہی لگا تھا کہ رئیس نے ہاتھ کے زور سے اس کو دروازہ بند کرنے سے روکا تھا۔ اس نے گہرا سانس لے کر ہاتھ پیچھے ہٹا لیا تھا۔

"میری بات یاد رکھنا مجھے ایک مہینے کے اندر باقی کی رقم چاہیے ورنہ۔۔" حنان اس کے اس دھمکی والے انداز سے اچھی طرح واقف تھا۔ "ورنہ کیا؟" حنان نے ایک ابرو اٹھا کر اس سے پوچھا تھا۔

"تم جانتے ہی ہو گلنار کے آمدورفت کے سارے اوقات مجھے معلوم ہیں" اس کی اس بات پر حنان کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔ اس نے اس کو گریبان سے پکڑ کر دبوچا تھا۔ "اپنی گندی زبان سے گلنار کا نام نہ لینا ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ رئیس نے ایک طنزیہ قہقہہ لگایا تھا۔ اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ وہ کئی لمحوں کے لیے گونجتا رہا تھا۔ "ٹھیک ہے۔ میں اسے تمہاری محبوبہ بلا لوں گا۔ تو سنو پھر پیسے مجھے ایک مہینے کے اندر اندر نہ ملے تو سمجھنا تمہاری محبوبہ ہمیشہ کے لیے۔۔" اس سے پہلے کو وہ اپنی بات پوری کر سکتا حنان نے اس کی گردن اس زور سے دبوچی تھی کہ

وہ کھانسنے لگا۔ "پیسے تمہیں مل جائیں گے اب اپنی شکل گم کرو اس سے پہلے کے تمہارا گلہ دبا کر تمہیں مار دوں" اس نے کہہ کر رئیس جو ایک دم چھوڑا اور پھر اندر آکر اپنے پیچھے دروازہ زور سے بند کر دیا۔

لیکچر کے بعد وہ آج پھر کاریڈور میں آکر بیٹھی تھی۔آج جیا لیو پر تھی اور وہ اکیلی تھی تو اسے ایسے یہاں بیٹھنا کافی عجیب لگ رہا تھا۔ مگر وہ کلاس میں بھی بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہاں دوسرے کلاس میٹس موجود ہوتے تھے اور کافی افرتفری کا ماحول ہوتا تھا۔ وہ اسی لیے یہاں آکر بیٹھتی تھی جہاں خاموشی اور پرسکون ماحول ہوتا تھا۔ سٹوڈنٹس تو وہاں بھی ہوتے تھے مگر کم ہی ہوتے تھے۔ زیادہ تر سٹوڈنٹس لابی کمپیوٹر لیب یا کیفے میں ہوتے تھے۔ وہ ابھی وہاں بیٹھی سامنے گراؤنڈ میں لگے درخت اور ہریالی کو دیکھ رہی تھی۔آج پھر بادل آئے تھے اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔اس خوشگوار موسم میں اسے جیا بہت یاد آئی تھی۔ وہ ہوتی تو اس وقت اس سے کہیں گھومنے جانے کی باتیں کر رہی ہوتی۔اس نے سوچا تھا کہ وہ جیا جو فون کر لے ابھی اس نے فون اٹھا کر کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ اسی پل اس کے ساتھ کوئی آکر رکا تھا۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ کیفی تھا۔

"آپ کی اجازت ہو تو کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" وہ ہمیشہ کی طرح مسکراہٹ چہرے پر لیے اس سے پوچھ رہا تھا۔اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔کیفی اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔

"آج آپ اکیلی یہاں کیسے ہیں۔آپ کی وہ دوست نہیں آئی؟" اس کو گل کو اکیلا دیکھ کر تعجب ہوا تھا۔

"ہاں وہ۔۔اس کے گھر کچھ گیسٹس آنے تھے تو اس نے لیو لی تھی" گل نے رسماً مسکرا کر جواب دیا تھا۔

"کتنے تعجب کی بات ہے نہ کہ آج آپ کی دوست بھی نہیں آئی ہے اور حنان نے بھی آج ہی چھٹی کی ہے" اس نے کہا تو حنان کے نام پر گل نے نظروں کا رخ موڑا تھا۔ اس کو کیا ہو جاتا تھا حنان کے نام سے۔ وہ اتنی

نازک دل کی مالک تو نہیں تھی جو اس کے نام سے ہی اس کا دل مضطرب ہو جاتا تھا۔

"آپ میرے ساتھ آئس کریم کھانے چلیں گی؟" اس نے اچانک ہی یہ پیشکش کی تو گل نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ "ابھی؟۔۔ ابھی تو دو لیکچر باقی ہیں ہم گئے تو واپس نہیں آ سکتے جانتے ہو نا یونیورسٹی کے رولز۔ ایبسنٹ ہو جائیں گے ہم" وہ اسے تمام تر ناممکنات بتاتی جاریی تھی مگر وہ تو بس ویسے ہی اسے دیکھے مسکرا رہا تھا۔

"ارے چھوڑیں آپ تو روز ہی آتیں ہیں اور میں بھی۔ ہماری اٹینڈینس کا اشو نہیں ہو گا۔ ہم ویسے بھی اچھے بچے ہیں۔ گندے بچے تو حنان اور جیا ہیں دیکھیں آئے ہی نہیں ہم تو ریگولر ہیں" اس نے کہا تو گل کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"اچھا باقی باتیں تو ٹھیک ہیں۔ یہ میری دوست کو تم کچھ مت کہا کرو" اس نے کہا تو کیفی کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔ "ایسا بھی کچھ نہیں کہا میں نے اس کو۔ آپ تو بہت ہی پازیسو ہو رہیں ہیں اپنی دوست کے معاملے میں" اس نے کچھ چڑانے کے سے انداز میں کیا تھا۔

"کیوں تم نہیں ہو پوزسو اپنے دوست کے لیے؟" گل تو جیسے یہ سوال تیار کر کے بیٹھی تھی۔

"نہیں میں پوزسو نہیں ہوں۔آپ جو چاہیں مجھے کہہ سکتی ہیں حنان کے بارے میں۔ میں اسے بتاؤں گا بھی نہیں جیسے آپ لڑکیوں کی عادت ہوتی ہے نہ فوراً سے بتادیتیں ہیں۔ میں جانتا ہوں حنان اور میری دوستی آپ کے کچھ کہنے سے کمزور تھوڑی ہی ہو جائے گی؟آپ ہم لڑکوں کی دوستی کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں" اس نے فوراًہی اپنی بات جتادی تھی۔ گل بڑی دلچسپی سے اس کی بات سن رہی تھی۔ "چلو پھر حنان کی شکایتیں چھوڑو اور اٹھو آئس کریم پارلر چلتے ہیں" گل کہہ کر ایک دم کھڑی ہو گئی۔ کیفی نے بے یقینی سے اسے کھڑا ہوتا دیکھا تو کچھ دیر تو حیران پریشان بیٹھا سوچتا رہا کہ وہ مان کیسے گئی پھر چند لمحے بعد کھڑا ہو کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"ویسے میرے پاس تو بائیک ہے۔آپ بیٹھ جائیں گی اس پر؟" وہ بہت ہی معصومانہ انداز میں سوال کر رہا تھا۔ گل کا اس وقت دل چاہا کہ اس کا سر پھاڑ دے۔اسے پہلے کیوں یاد نہیں آیا کہ وہ تو روز یونیورسٹی بائیک پر ہی آتا ہے۔

"نہیں ہر گز نہیں پلان کینسل میں نہیں جارہی بائیک پر" اس نے اگلے ہی پل انکار کیا اور واپس مڑنے لگی کہ کیفی ہلکا سا ہنسا تھا۔اس نے کیفی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ اس کی بے وقوفی پر ہنس رہا تھا کیا؟۔

"آپ بھی بہت معصوم ہیں۔ اگر میں بائیک پر آتا تو آپ کو آئس کریم کی دعوت دیتا؟ گل نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میرا مطلب ہے آج میں بڑے بھائی کی گاڑی پر آیا تھا۔ اصل میں مجھے اور حنان کو کہیں جانا تھا پھر حنان کو کسی سلسلے میں لیو لینی پڑی اور اس نے مجھے فون کر کے اپنی غیر حاضری کی اطلاع دی تھی۔" اس

نے اپنی بات کی اب تفصیل سے وضاحت کی تھی۔ گل اب واپس اس کی طرف آئی تھی۔ "تم نے پھر مجھے بے

وقوف کیوں بنایا ہاں؟" گل کی توانا کا معاملہ ہی بن گیا تھا۔

"آئی ایم سوری" وہ گردن جھکا کر بلکل ہلکی آواز میں بولا تھا۔ گل کو ایک بار پھر حنان یاد آیا تھا۔ جب بھی وہ گل کے ساتھ کوئی مذاق کرتا تھا وہ اس سے ناراض ہو جاتی اور وہ اسے اسی طرح سوری کہتا تھا۔ وہ دونوں کس قدر ملتے تھے۔ یہ بات گل کو کبھی کبھی انجان حیرت میں مبتلا کر دیتی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھے تو گل نے دیکھا گاڑی کے سیٹ بلکل انٹیریئر سب ایسا تھا جیسے وہ کچھ عرصہ پہلے ہی لی ہو۔

"یہ گاڑی تو نئی لگ رہی ہے" گل نے کہا تو سیٹ بیلٹ لگاتے کیفی نے اسے دیکھا تھا۔ "ہاں یہ بھائی نے ابھی ایک ہفتہ پہلے ہی خریدی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے تو میں بائیک ہی پر ہر جگہ آتا جاتا تھا۔

"اب وہ گاڑی کو سٹارٹ کرتا اسے معمولی رفتار میں سڑک پر لے جا رہا تھا۔ گل کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"تمھیں اندازا نہیں ہے میں اور حنان تو بائیک پر ہی ایک شہر سے دوسرے شہر بھی چلے جاتے تھے" وہ جو دوسری طرف دیکھ رہی تھی فوراً ہی اس نے رخ پھیر کر کیفی کو دیکھا تھا۔ ؛"تم یقیناً مذاق کر رہے ہو" کیفی نے ڈرائیو کرتے ہوئے ایک لمحہ رخ موڑ کر اس کے تعجب بھرے تاثرات دیکھے تھے۔ اس کی سرمئی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ ایک پل کے لیے تو وہ اس سے نظریں ہٹانا ہی بھول گیا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ رخ سامنے سڑک کی طرف کیا تھا۔ ایک پل کے لیے دل تھما تھا۔ بس ایک پل کے

لیے۔ "آپ میرا بائیکنگ کا کریز جانتی نہیں ہیں۔آپ کو پتہ ہے میں نے تین صوبائی بائیک ریسز جیتیں بھی ہیں۔

"گل نے اب اس کی بات کا سن کراندازہ ہو گیا تھا کہ وہ تو ایک پیشنیٹ بائیکر تھا

۔"حنان کو اس کے گھر سے لے کر کبھی کبھی تو ہم جھیل پہنچ جاتے۔اور میری بیلے پر ہی ہم کشمیر بھی گ ئے تھے" وہ تو بہت ہی فخر سے اپنے کارنامے بتا رہا تھا۔ "بیلے؟" گل نے تعجب سے اسے دیکھا تھا۔ "ہاں۔۔ میری بائیک کا نام ہے" اور گل کا دل چاہا کہ وہ اپنا سر دیوار میں مار لے۔یہ لڑکے اور ان کے عجیب و غریب مشغلے۔ "اچھات۔۔ تم جانتے ہو حنان کہاں رہتا ہے" اس نے نا جانے کیا سوچ کر یہ سوال کیا تھا۔

"ہاں ظاہر سی بات ہے نہ وہ تو میرا دوست ہے کیسے نہیں جانتا میں۔کیوں آپ نہیں جانتی جیا کہاں رہتی ہے؟" اس نے منطق کی بات کر کے الٹا گل سے ہی سوال کیا تھا۔ "ہاں وہ تو میں جانتی ہوں۔تو وہ کس کے ساتھ رہتا ہے۔آئی مین اس کی امی؟" کیفی نے اس کو دیکھا تھا جیسے اس نے کچھ ایسا پوچھ لیا ہو جو اسے نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔

"اوہ آئم سوری میں آپ کو بتانا ہی بھول گیا حنان کی امی کا انتقال دو سال پہلے ہوا تھا" گل کو جیسے جھٹکا لگا تھا۔ سلمہ بی کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ اور اس کے بابا کچھ نہیں جانتے تھے۔۔ حنان کس قدر مشکل گھڑی سے گزرا ہو گا۔ سلمہ بی تو اس کی کل فیملی تھیں۔وہ اکیلا کیسے رہا ہو گا۔ پھر اس نے خاموش نظروں سے کیفی کو دیکھا تھا۔ وہ ایک نا معلوم ضرورت بن کر اللہ کا ایک وسیلہ بن کر حنان کی زندگی میں آیا تھا۔ اس نے خود سے سوچا تھا۔ وہ کیفی کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔اس نے حنان کو نئی زندگی دی تھی۔

"آپ اب مجھے کیوں ایسے گھور رہیں ہیں؟ مانا کہ میری سائیڈ پروفائل لُک کافی ہینڈسم ہے۔ اسکا یہ مطلب تو نہیں ہے نا کہ آپ مجھے نظر ہی لگا دیں" گل کو اس کی بات نے چونکایا تھا۔ وہ تو گہری سوچوں میں تھی۔اس کی بات سن کر مسکرا دی تھی۔

"میں تمہیں تھوڑی دیکھ رہی تھی؟۔۔ میں تو اس طرف وہ دیکھو وہاں پارک کو دیکھ رہی تھی" کیفی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو وہاں واقعی پارک تھا۔

"ویسے دیکھ تو آپ مجھے ہی رہیں تھیں۔۔۔ لیکن چلو کوئی بات نہیں آپ نے پارک کو الزام دے ہی دیا ہے تو یہ بھی بتا دیں کہ آپ پارک کو کیوں دیکھ رہیں تھیں؟" گل نے اس بار پارک کو دیکھ کر کہا تھا۔

"میں اور بابا یہاں آیا کرتے تھے ہر ہولی ڈے پر۔۔ مجھے بس بچپن کے وہ دن یاد آگ ۓ تھے" وہ مسکرا کر بتا رہی تھی۔ کیفی اب خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ کھڑکی سے باہر دوڑتی سڑک اور درختوں کو دیکھ رہی تھی۔ چند پل کے بعد وہ لوگ آئس کریم پارلر کے سامنے تھے۔ گل نے اپنی طرف کا دروازہ کھولنا چاہا تو کیفی نے اسے ہاتھ بڑھا کر رکنے کو کہا۔ پھر وہ خود باہر نکلا اور دوسری طرف سے جا کر گل کا دروازہ کھولا۔ گل ہکا بکا سی بیٹھی تھی

۔ "میڈم انویٹیشن بھیج دوں آپ کو باہر آنے کا" اور گل نے چونک کر دیکھا تھا۔ اسے ابھی احساس ہوا تھا کہ وہ کتنی دیر سے دروازہ کھولے اس کے لیے کھڑا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکل آئی تھی۔ اب وہ دونوں ساتھ چلتے اندر گ ۓ تھے۔ گل نے آج سادہ آف وائٹ سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی دودھیا رنگت کے ساتھ سفید رنگ سونے پر سہاگہ تھا۔ وہ چودھویں کی چاند کی مانند کھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ جبکہ اس کے برعکس کیفی نے کالی جیکٹ اور سیاہ ہی جینز پہن رکھی تھی۔ البتہ جیکٹ کے اندر کی شرٹ

سفید رنگ کی تھی۔ ان دونوں کا یہ رنگوں کا امتزاج بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہ ٹیبل پر آ کر بیٹھے تو کیفی نے ویٹر کو بلایا۔ گل نے موبائل پر جیا کا میسج دیکھا تو اسے ریپلائے کرنے لگی۔ "آپ کونسا فلیور لیں گی؟" اس نے گل سے پوچھا تو گل نے سر اٹھا کر نظروں کا رخ اس کی طرف کیا۔

" میں چوکلیٹ چپ لوں گی" اس نے کہا تو کیفی نے ویٹر کو آرڈر کرنا شروع کیا۔ کچھ دیر بعد ان کی آئس کریم ان کے سامنے آ گئی تھی۔ گل نے کیفی کی آئس کریم دیکھی تو وہ اسٹرابری فلیور کی تھی۔ وہ نہ جانے کیوں ہنسنے لگی تھی۔ کیفی نے آئس کریم کھاتے ہوئے اس کی ہنسی سنی تو نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی ہی طرف دیکھ کے ہنس رہی تھی۔

"ک۔۔ کیا ہوا آئس کریم لگی ہے کیا کہیں پہ" وہ اپنے آپ کو فون کی سکرین میں دیکھنے لگا تھا کہ شاید آئس کریم کا کوئی دھبہ لگا ہے۔

"نہیں نہیں میں تو اس بات پر ہنس رہیں ہوں کہ تم اسٹرابری فلیور کی آئس کریم کھا رہے ہو۔ ابھی گاڑی میں تم اپنی ہیوی بائیکنگ کی کیا کیا بات کر رہے تھے۔ ایک لڑکا جو بائیکر ایڈونچرر یو وہ سٹرابیری آئس کریم کھاتا تھوڑا عجیب نہیں لگتا" اس بے کیا تو کیفی کے تاثرات بدلے تھے۔ گل کو کہنے کے بعد احساس ہوا تھا کہ کہیں اس نے اس جو ہرٹ نہ کر دیا ہو مگر اگلے ہی پل کیفی ہنسا تھا۔ "حنان کی روح آ گئی ہے تم میں بھی۔۔ وہ بھی میرے آئس کریم فلیور کو لے کر ہر وقت کے ٹونٹ مارتا ہے" وہ کہتا گیا اور ساتھ ہی آئس کریم بھی کھاتا رہا۔ گل اور حنان وہ دونوں ایک ساتھ نہ ہو کر بھی کہیں نہ کہیں ایک ساتھ ملا دیے جاتے تھے۔ گل نے سوچ کر سر جھٹکا تھا۔ گل اب اپنی آئس کریم خاموشی سے کھا رہی تھی۔ کیفی نے اپنی آئس کریم پہلے ہی ختم کر لی تھی۔ اب وہ دونوں بازو میز پر رکھے گل کو دیکھ رہا تھا جو

ابھی بھی اپنی آئس کریم کھانے میں مگن تھی۔

"ایک بات تو بتائیں آپ" تو وہ کافی دیر سے کسی سوال کی خاطر اسے دیکھے جا رہا تھا۔ گل کو اس کی نظروں کی تپش معلوم ہوئی تھی مگر وہ چپ چاپ آیئس کریم کھاتی رہی۔ "ہمم پوچھو" اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

"آپ کو کسی سے محبت ہوئی ہے کبھی؟" اس کے اس اچانک سوال پر آئس کریم اس کے حلق میں پھنس کر ہی رہ گئی تھی۔ اس نے بے یقینی کے عالم میں کیفی کی طرف دیکھا تھا۔ "ک۔۔ کیا مطلب اس بات کا؟" وہ غالباً تصیح کرنا چاہتی تھی کہ کہیں اس نے غلط تو نہیں سنا۔

"وہی جو آپ نے سنا ہے" گل نے صحیح سنا تھا۔ اس ایک لمحے میں وہ حنان کے ساتھ گزارے ہوئے لمحے اس کی نظروں کے سامنے ایک فلیش کی طرح گزرے تھے۔

"ہاں کی ہے محبت" اس نے دل میں آئی بات کر ڈالی تھی۔ کیفی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ مگر وہ پھر بھی مسکراتا رہا تھا۔

"ک۔۔ کس سے" اب کی بار اسے ہوش آیا تھا کہ اس نے ہامی بھر لی تھی۔ اس کے دل کی آواز کیفی نے جان لی تھی۔ اسے اپنی بے وقوفی پر افسوس ہوا تھا۔ "اپنے بابا سے" وہ اس نے آئس کریم کا آخری چیچ

لگاتے ہوئے کہا تھا۔ کیفی کی مسکراہٹ جو مبہم ہوئی تھی وہ ایک بار پھر بھرپور ہو گئی تھی۔

"اپنوں سے تو ہر کسی کو محبت ہوتی ہے"

کیفی نے اسکو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔

"محبت تو ہوتی ہی اپنوں سے ہے" گل نے اس کی بات کو ایک دوسرے انداز میں پیش کیا تھا۔

"ضروری تو نہیں۔۔۔ انسان کو غیروں سے بھی ہوتی ہی ہے محبت" کیفی کو اس کی بات سے اختلاف تھا۔

"تو کیا وہ اپنے بن جاتے ہیں؟" گل نے اب نظروں کا رخ کیفی کی جانب کیا تو وہ ٹھٹکا تھا۔ اس کی نظروں میں سرد مہری تھی۔

"ہاں بلکل اگر وہ بھی آپ سے محبت کرتے ہوں اپنے ہو جاتے ہیں" کیفی کا لہجہ نرم تھا۔ گل اس کو دیکھ رہی تھی مگر پسِ پردہ حنان نظر آ رہا تھا۔ "اور اگر دوسرا آپ کو اچانک ہی اجنبی کر دے تو؟" گل کو اب یہ سوال مزید اپنے اندر گھلتے نہیں دیکھنے تھے۔ وہ آج ہی ان کا جواب جان لینا چاہتی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آپ سے کبھی محبت کرتا ہی نہیں تھا یا۔۔۔" اور اس پل اسے یاد آیا تھا کہ اس دن کلاس میں حنان نے کچھ ایسا ہی کہا تھا۔ "اس کو بچانے کی خاطر اس کو ہمیشہ کے لیے بھلا دینا اجنبی کر دینا جس سے آپ بہت پیار کرتے ہیں" یہ آواز حنان کی تھی جو اس کی یادوں میں کہیں گونجی تھی۔

" یا یہ کہ وہ آپ کو کسی مصیبت سے بچانے کے لیے آپ کی خاطر قربانی دے رہا ہو" گل کو اس کی بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ "کیا مطلب ہے اس بات کا۔۔۔ کیسی قربانی" گل نے پوچھا تو کیفی نے محض کندھے اچکا دیے۔

"مجھے تو بس اتنا ہی پتہ ہے۔ کسی نے مجھ سے یہ بات شئیر کی تھی اور میں نے آپ سے کر دی کیونکہ مجھے آپ کے سوال کا یہی جواب لگا تھا" اس کے سوال کا جواب؟۔۔۔ حنان نے اسے اجنبی اس لیے کیا تھا کہ وہ اسے کسی مصیبت سے بچا سکے۔ وہ گل کی خاطر قربانی دے رہا تھا؟۔۔۔۔ نہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ ایسا کیوں کرے گا۔ اس نے اپنی سوچوں کو جھٹکا تھا۔ اسے مزید اس بارے میں نہیں سوچنا تھا۔ "تمہیں کبھی کسی سے محبت ہوئی ہے؟" اب گل نے کیفی سے پوچھا تھا۔ وہ جو موبائل کو دیکھ رہا تھا اس نے اچانک ہی گل کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ اس نے موبائل ایک طرف رکھا اور دونوں ہاتھ میز پر رکھے۔ "ہاں کی ہے۔ اور اپنوں سے نہیں۔ کیونکہ ابھی اس کو اپنا بنانے کے لیے مجھے اس کی اجازت چاہیے" گل نے اسے خوشگوار حیرت سے دیکھا تھا۔ "اچھا کون ہے وہ لڑکی؟" کیفی اب اسے دیکھنے کے بعد نظریں جھکا گیا تھا۔ "آپ اسے بہت اچھے سے جانتیں ہیں" گل کو تعجب ہوا تھا۔

"ایک منٹ کہیں تم جیا کی بات تو نہیں کر رہے؟ کیونکہ میں تو اسے ہی جانتی ہوں سب سے زیادہ" کیفی نے نہیں میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں وہ جیا نہیں ہے" گل کو اب واقعتاً حیرت ہوئی تھی کہ اگر وہ نہیں ہے تو پھر کون ہے۔

"ہے ایک۔۔ وہی جس پر یونیورسٹی کے پہلے دن میں نے پانی گرانے کی گستاخی کی تھی اور اس نے میری پوری یونیورسٹی کے سامنے انسلٹ کی تھی۔ مگر خیر اس کے منہ سے نکلی ہوئی بات زہر بھی ہو تو شہد لگتی ہے" گل اسے ٹک ٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ وہ یہ کیا کہہ رہا تھا۔

"اور دوسری دفعہ اس سے میری ملاقات ایک کیفے میں ہوئی تھی جہاں اس نے مجھ سے اپنے آرڈر کا بل

پے کروایا تھا۔ مگر میں کیا کرتا انکار نہیں کر سکتا تھا محبت کرتا تھا اس سے" اس نے آخری بات دھیمے مگر بہت ہی نرم انداز میں کی تھی۔ گل کو لگا اس کے دل کی دھڑکن مسلسل بڑھ رہی ہے۔ یہ کیا ہو رہا تھا۔ وہ کیسے اس سے محبت کر سکتا تھا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ "تو مس گلنار" کیفی نے گل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ شاید پہلے ہی دن سے مجھے آپ سے محبت ہو گئی تھی۔ مجھے اس بات کا علم بعد میں ہوا تھا" اس نے دیکھا گل کو جیسے کوئی شوک لگا تھا۔ وہ اب نظریں چرا گئی تھی۔

"د۔۔ دیکھیں میں نے آپ سے پہلے پوچھا تھا کہ آپ کو محبت ہے کسی سے اب اگر آپ نے مجھ سے سچ بولا ہے اور کچھ نہیں چھپایا تو میں آپ سے کم از کم محبت کا اظہار تو کر ہی سکتا ہوں لیکن اگر آپ نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے تو آپ نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے" گل تو کچھ بول ہی نہیں پا رہی تھی۔ پھر کافی دیر بعد اس نے اس کی بات کا جواب دیا تھا۔

"م۔۔۔ میں تم۔۔۔ مجھ سے محبت کرتے ہو؟" وہ ابھی بھی حیران تھی۔ "ہاں میں آپ سے محبت کرتا ہوں" گل نے نظریں جھکا لیں تھیں وہ کیا کرتی اب۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"کہیں یہ حنان کا پلان مجھے پھنسانہ دے؟" اس نے کہا اس انداز سے تھا جیسے خود سوچ رہا ہو۔ گل نے حنان کا نام سنا تو حیران ہوئی تھی۔

"ح۔۔ حنان؟" کیفی نے گل کی تعجب بھری آنکھوں میں دیکھا تھا۔ "جی۔۔۔ وہ ایکچوئلی آئم سوری یہاں میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ حنان کو اپنے کسی کام سے چھٹی پر جانا تھا۔ وہ دراصل میں نے

حنان کو بتایا تھا تو اس نے آج چھٹی اسی لیے کی تھی تا کہ میں آپ کو یہاں لے کر آ سکوں۔ اور میں آج گاڑی میں بھی اسی لیے آیا تھا" وہ کچھ شرمندہ سا اسے بتا رہا تھا۔ مگر جہاں اسے پتہ لگا تھا کہ حنان کو کیفی نے سب بتایا ہوا ہے اس نے اس سے آگے اس کی کوئی بات نہیں سنی تھی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ حنان اگر اس سے محبت کرتا تھا تو کیا وہ کیا اپنے دوست کی محبت کی خاطر اس کی قربانی دے رہا تھا۔ یا اگر صرف دوستی بھی تھی ان کے درمیان کیا وہ اس کی بھی قربانی دے رہا تھا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کو کیفی کی کچھ دیر پہلے کی ہوئی بات یاد آئی تھی۔ اس نے کہا تھا کسی مصیبت سے بچانے کے لیے اپنوں کو بھول جانا۔ کیا مصیبت ہو سکتی تھی۔ وہ کس مصیبت کی بات کر رہا تھا۔ اس کا دماغ بہت سی الجھنوں کا شکار ہو گیا تھا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے تم نے مجھے بتایا تھا وہ کا ی مصیبت میں قربانی۔۔" ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ کیفی سمجھ گیا تھا۔

"ہاں وہ دراصل وہ مجھ سے حنان نے ہی کہا تھا۔ میں تو بس ایسے ہی آپ کو نہیں بتا رہا تھا کہ بات کہیں اور نہ چلی جائے" وہ کچھ دیر بول کر رکا تھا۔ گل کو وہ ایم اور حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔ "ویسے میں بڑا حیران ہوں آپ اور حنان کیا کسی کنٹاسٹینگ کے ساتھ زندگی گزارتے ہو" گل نے اسے حیرت زدہ تاثرات سے دیکھا تھا۔ اس کی نظریں اس بار سوالیہ بھی تھیں۔ "جس طرح کے آپ کے سوال ہیں ویسے ہی حنان کے پاس جواب ہیں۔ آپ دونوں کو تو ایک دفعہ مل کر ڈیبیٹ کر لینی چاہیے۔ کافی انٹرسٹنگ ہو گی۔ آپ کو آپ کے جواب بھی مل جائیں گے اور حنان کو وہ سب بتانے کا موقع بھی مل جائے گا" وہ بہت ہی خوشدلی کے ساتھ کہے جا رہا تھا اور گل اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟" گل نے ایک بار پھر نظریں جھکا لیں تھیں۔ کیفی کو سمجھ آ گیا تھا وہ انھہ پریشان تھی

۔"آ۔۔۔آپ مجھے سوچ کر جواب دے دیجئے گا" گل کی نظریں پہلو میں گرے اپنے ہاتھوں پر تھیں۔ "ہ۔۔۔ہاں میں کچھ وقت لینا چاہوں گی" اس نے سر جھٹک کر کہا تھا۔ "ٹھیک ہے آپ کو جتنا وقت لینا ہے آپ لے لیں۔ میں انتظار کر لوں گا" گل نے اس کو دیکھا تھا۔ وہ کتنا اچھا تھا۔ اس کو انکار کر کے وہ اس کا دل کیسے توڑ سکتی تھی۔

"چلیں میں آپ کو گھر ڈراپ کر دیتا ہوں" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے میز سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے" گل نے مختصر جواب دے کر اپنا بیگ اٹھایا تھا۔ وہ دونوں پورے سفر میں خاموش رہے تھے۔ گل کا گھر آیا تو باہر نکل کر اس کا شکریہ ادا کرتی اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔ کیفی اس کو جاتا دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ اپنے گھر کے اندر داخل ہو گئی اور اس نے گھر کا دروازہ اپنے پیچھے بند کیا تو وہ گاڑی سٹارٹ کر کے زن سے لے گیا۔ گل بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آئی تھی۔ فرحان صاحب ابھی آفس سے نہیں آئے تھے۔ اس نے گھر آتے ہی نازو بی کو روک دیا تھا کہ وہ کھانا نہ لگائیں وہ نہیں کھائے گی بلکہ وہ کچھ دیر اپنے کمرے میں آرام کرے گی۔ اس نے اپنا کمرہ اندر سے بند کیا اور سامنے بیڈ کے آگے لگے کارپٹ ہر بیٹھ گئی۔ وہ جب بھی کسی الجھن میں ہوتی یا اداس ہوتی تو وہ بیڈ پر نہیں بیٹھتی تھی بلکہ اسی کارپٹ پر نیچے بیٹھتی تھی۔ آج بھی وہ وہیں بیٹھی تھی۔ اس کی سوچیں الجھن کا شکار تھی۔ آج جو باتیں اسے کیفی سے پتہ چلیں تھیں وہ اس کے لیے کسی شوک سے کم نہیں تھیں۔

حنان کا اجنبی ہو جانا۔ کیفی کا اس سے محبت کرنا۔ حنان کو اس اب کا پہلے سے علم ہونا۔ اس کو بچانے کی خاطر اس کا گل سے دور ہو جانا۔ کڑیاں مل ہی نہیں رہیں تھیں۔ اس کی سوچوں کے محور چکروں میں مسلسل چل رہے تھے۔ یہ سب اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ کیوں وہ ہی ان سب سے انجان تھی۔ وہ اس رات ٹھیک سے سو بھی نہیں سکی تھی۔ آج موسم خراب ہو رہا تھا۔ وہ جب یونیورسٹی آئی تھی تو موسم بلکل صاف تھا مگر اچانک ہی آخری چند گھنٹوں میں اتنے بادل آگۓ اور دن میں بھی رات کا سماں بن گیا تھا۔ تیز ہوائیں چل رہیں تھیں۔ گل کو واپس گھر جانے کے لیے ڈرائیور نے پک کرنا تھا مگر کچھ دیر پہلے اسے نازو بی کا فون آیا تھا ڈرائیور گاڑی بنوانے لے گیا ہے۔ اس میں کوئی خرابی ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے بابا کا پوچھا تو نازو بی نے بتایا کہ وہ توآج صبح ہی ضروری میٹنگ کے لیے اسلام آباد چلے گۓ تھے اب کل سے پہلے نہیں آئیں گے۔ جیا نے دو دن کی لیو لی تھی تو آج بھی وہ نہیں آئی تھی اور حنان اور کیفی بھی یونیورسٹی میں اسے کہیں نظر نہیں آۓ تھے۔ اب وہ کیا کرے، کس کے ساتھ جاۓ۔ اس کے تو گھر کا راستہ بھی اچھا خاصا تھا۔ اس نے فون نکالا اور کانٹیکٹس کھول کر سوچنے لگی کہ کسے فون کرے۔ پھر اس کے سامنے کیفی کا نمبر آیا اس نے فوراً سے فون ملا لیا۔ کچھ دیر بیل جانے کے بعد اب کیفی نے فون اٹھا لیا تھا۔ "ہیلو گل" اس نے دوسری طرف سے خوش مزاجی سے کہا تھا

۔"ہ۔۔ ہیلو کیفی کیا تم مجھے گھر ڈراپ کر سکتے ہو۔ میں یونیورسٹی کے باہر کھڑی ہوں" اس نے بامشکل ہی کہا تھا۔ دوسری طرف کیفی اچھلا تھا۔

"کیا۔۔۔ آپ نے خبریں نہیں دیکھیں تھیں۔ آج موسم خراب تھا آپ کو یونیورسٹی نہیں آنا چاہیے تھا۔ مجھے لگا تھا کہ آپ کو پتہ ہے۔ چلیں آپ رکیں میں بس پانچ منٹ میں آتا ہوں" اس نے کہہ کر

فون رکھ دیا اور گل کو اب سمجھ آئی تھی کہ وہ لوگ کیوں نہیں آئے تھے۔ اس نے تو نہ ہی ٹی وی آن کیا تھا اور نہ ہی سوشل میڈیا چلایا تھا تو اسے اس بات کی خبر کیسے ہوتی۔ اس نے اس کا انتظار کیا مگر دس منٹ ہو گئے وہ نہیں آیا۔ بارش اور طوفان کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ گل نے پیدل ہی چلنے کا سوچا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس قدر طوفان کے باعث سڑک یا سامنے کی کوئی بھی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے فون کی ٹارچ آن کی تھی اور اس کے سہارے ہی آگے قدم رکھ رہی تھی۔ جب کہ دوسری طرف کیفی گاڑی میں بیٹھا باہر طوفان کے باعث کچھ بھی دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ ہیڈلائٹس آن تھی اور وایپرز بھی چل رہے تھے۔ اس کے باوجود بھی سڑک کو دیکھنے میں مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کے فون کی بیٹری بھی ڈیڈ ہو گئی تھی جو اب اس نے گاڑی میں ہی چارج پر لگایا تھا۔ اس کو اب گل کی فکر اور زیادہ ہو رہی تھی۔ وہ پتہ نہیں اسے کتنی کالز کر چکی یو گی اور اس کا تو فون ہی بند تھا۔

وہ چلتی جا رہی تھی۔ نا جانے کیوں اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ اچانک ہی سامنے سے کوئی چیز تیز رفتار میں آئی تھی۔ گل کو اس طوفان میں سامنے نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا چیز تھی۔ وہ زرہ سا سڑک سے ہٹ کر چلنے لگی۔ مگر وہ چیز تو عین اسی کے سامنے تھی۔ وہ شے قریب آئی تو اس کی آواز کے ساتھ اس کی روشنی بھی بڑھ گئی تھی۔ گل نے سامنے دیکھنا چاہا تھا مگر تیز روشنی نے اس کی آنکھوں کو چندھیا دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک طرف قدم بڑھا کر بچ پاتی وہ چیز اسی رفتار سے اس کے وجود سے آ ٹکرائی تھی اور پھر اسی تیزی سے ایک طرف سے آگے نکل گئی۔ اس کا بے جان وجود سڑک پر اس طوفان میں پڑا رہ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود بیگ اور موبائل جھٹکے کی وجہ سے دور جا گرے تھے۔

اس کے سر سے خون بہنے لگا تھا۔ وہاں اس کا وجود بلکل تنہا تھا۔ بارش کی بوندیں ابھی بھی ٹپ ٹپ گر رہی تھیں البتہ طوفان کی شدت میں اب کمی آگئی تھی۔

طوفان ڈھل چکا تھا۔ کیفی اب گاڑی تیز رفتار میں چلاتا یونیورسٹی آ پہنچا تھا۔ لیکن گل وہاں نہیں تھی۔ یونیورسٹی کا گیٹ بند تھا۔ اس کو تقریباً بیس منٹ لگے تھے یہاں پہنچنے میں۔ اس نے اندازا لگایا تھا۔ گل یقیناً خود یہاں سے چلی گئی ہو گی۔ اس نے اپنا فون دیکھا تو اب وہ آن ہو چکا تھا اور کچھ حد تک چارج بھی ہو گیا تھا۔ اس نے گل کا نمبر ملایا۔ پہلے تو کافی دیر بیل جاتی رہی پھر اس کا فون آف ہو گیا۔ کیفی نے تعجب سے فون بند کیا۔ دوسری جانب گل کا فون لو چارجنگ کا نوٹیفکیشن جاری کر رہا تھا ساتھ ہی کیفی کی کال آ رہی تھی اسی دوران اس کا فون آف ہو گیا۔ کیفی اب گاڑی کو آگے بڑھا کر لے جا رہا تھا کہ اسے کہیں گل نظر آ جائے۔ وہ تھوڑا آگے آیا تو چند گھروں اور دوسری عمارات کے گزر جانے کے بعد اسے نیچے کوئی لڑکی اوندھے منہ گری ملی تھی۔ وہ تیزی سے گاڑی سے نکل کر اس کے پاس آیا تھا۔ اس کا پورا جسم کانپنے لگا تھا۔ اس بے نیچے جھک کر کانپتے ہاتھوں سے اس کے چہرے سے بال ہٹائے تھے۔ وہ گل تھی۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ کیفی نے بے یقینی میں دائیں بائیں سر ہلایا تھا۔ نہیں یہ گل نہیں ہو سکتی۔ اس کو وحشت ہونے لگی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو متواتر بہے چلے جا رہے تھے۔ پھر اس کو ہوش آیا کہ اس کو کچھ کرنا چاہیے۔ اس نے جیب سے اپنا فون نکالا اور کانٹیکٹس میں سکرول کرنے لگا۔ وہ کیا کرے کسے فون کرے۔ تبھی حنان کا نام نظر آیا اس نے کانپتے ہاتھوں سے اس کا نمبر ملایا تھا۔

"ہیلو" حنان کی آواز آئی تھی۔

"حنان گ۔۔ گل اس کا ا۔۔ ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے" اس نے کانپتی آواز کے ساتھ کہا تھا۔ اور دوسری جانب سے حنان ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس جو لگا تھا جیسے اس کا دل بند ہوا ہو۔ اس کا سانس لینا دشوار ہونے لگا تھا۔

"کیا گل کا ت۔۔ تم نے ایمبولینس بلائی؟" اس نے نہ میں جواب دیا تھا۔

"تم ایمبولینس بلاؤ میں آرہا ہوں کہاں ہو تم؟" "یونیورسٹی سے تھوڑا آگے اسی سڑک پر" یہ کہہ کر اس نے فون بند کیا۔ اس کی سینسز کام نہیں کر رہیں تھیں گل کو اس حالت میں دیکھ کر۔ حنان کے کہنے پہ اب اس نے ایمبولینس کو کال کی تھی۔ کچھ ہی دیر میں حنان وہاں آ پہنچا تھا۔ وہ گل کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ اس کا سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ جو اس کے لیے اس کے جینے کی وجہ تھی وہ کس حال میں تھی۔ وہ دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ اسی دوران ایمبولینس بھی آ پہنچی تھی۔

ہاسپٹل میں آئی سی یو کے باہر وہ دونوں مضطرب سے ٹہل رہے تھے۔ حنان اب بار بار فرحان صاحب سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میٹنگ میں ہونے کی وجہ سے وہ فون نہیں اٹھا رہے تھے۔ شاید سائیلنٹ پر لگا تھا۔ اس نے گھر کے نمبر پر کال کی تھی۔ یہ نمبر پانچ سال پرانا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں دعا کی کہ یہ نمبر آن ہو اور کوئی تو فون اٹھا لے۔ کچھ دیر بعد دوسری جانب سے ہیلو کی آواز آئی تھی۔ حنان یہ آواز پہچانتا تھا۔ یہ نازو بی تھی۔ اس نے نازو بی تمام بات تفصیل سے بتائیں تھیں۔ وہ کافی پریشانی کے عالم میں لگنے لگیں تھیں۔ انہوں نے ابھی آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ اسی دوران آئی سی یو کا دروازہ کھولے ڈاکٹر ان کی طرف بڑھ کر آیا تھا۔ اس نے انہیں بتایا کہ اس کو بچانے میں کامیاب ہو گ ئے ہیں اور یہ کی اب پیشنٹ تین سے چار گھنٹے بے ہوش رہے گا۔ حنان اور کیفی کا سانس اب بحال

ہوا تھا۔ حنان نے وہیں نفل پڑھے اور پھر دعا کرنے لگا۔ اب نازو بی بھی آگئیں تھیں اور کیفی نے انہیں گل کی طرف سے تسلی دے دی تھی۔ گل کو بے ہوشی کی حالت میں تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ حنان نے اب فرحان صاحب کو کال کی تو انہوں نے فوراً اٹھائی اور معزرت کی کہ میٹنگ کی وجہ سے کال نہیں کر سکے تھے۔ اس نے انہیں گل کے بارے میں اطلاع کی ساتھ ہی اب اس کے خطرے سے باہر ہونے کا بھی بتایا تا کہ انہیں تسلی ہو فرحان صاحب گل کی حالت کا سن کر بہت پریشان ہوئے انہوں نے کتنے غلط وقت پر اسے اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن پھر انہیں احساس ہوا کہ اگر حنان نہ ہوتا تو ان کی بیٹی کو کون بچاتا انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ ان کی غیر موجودگی میں اس نے ان کی بیٹی کا خیال کیا تھا اور پہلی فلائٹ سے واپس آنے کا کہہ کر فون رکھا۔

کمرے میں وہ لیٹی انکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ اس کے سر پر پٹیاں باندھیں تھیں۔ ہاتھ میں برنولا لگا تھا۔ پیچھے مانیٹر پر اس کا ہارٹ ریٹ چل رہا تھا جو نارمل سے بہت آہستہ تھا۔ اس کے منہ پر انیستھیٹک ماسک لگا تھا۔ حنان اس کے ساتھ بیٹھا اس کا دوسرا پٹیوں میں بندھا ہاتھ جس اے صرف اس کا انگوٹھا اور انگلیاں نظر آرہی تھی اپنے ہاتھ میں لیے آنکھوں سے لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ بلکل ایسا ہی تو منظر تھا جب اس کی ماں اس کی کل کائنات اسے اکیلا چھوڑ کر چلیں گئی تھی۔ نہیں اس کی زئی اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گی۔ وہ اسے کچھ نہیں ہونے دے گا۔ وہ تو اس کا حانی تھا وہ اس کے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔

"زئی ایک بار آنکھیں کھولو صرف ایک بار آنکھیں کھول کر دیکھو۔۔ دیکھو تمہارا حانی آیا ہے" وہ اس کے ہاتھ جو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا جیسے اگر اس نے اس کا ہاتھ چھوڑا تو وہ اس سے دور بھاگ

جائے گی۔ اور اس سے دوری کے تصور سے ہی اس کا سانس رکنے لگتا تھا۔

"زئی مجھے معاف کر دو۔ میں نے تم سے دور جا کر تم پر بہت ظلم کیا ہے۔ پلیز ایک بار مجھے بلاؤ۔۔۔ زئی۔۔۔ بس ایک بار" وہ بچوں کی طرح ہچکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔ اسی پل اس کے ہاتھ میں موجود گل کا ہاتھ ہلا تھا۔ بس لمحے بھر کی حرکت ہوئی تھی۔ حنان نے اس کی طرف چونک کر دیکھا تھا۔ وہ اب آہستگی سے اپنی آنکھیں کھول رہی تھی۔ حنان اس کو دیکھے گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اپنے ارد گرد دیکھا اور پھر اسے اپنا ہاتھ کسی کی گرفت میں محسوس ہوا تو اس نے اس طرف دیکھا۔ سامنے وہ بیٹھا اسے گیلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثر نہیں پڑھ پا رہی تھی مگر ایسا لگتا تھا وہ پل پل مرا ہو۔ اس نے ازیت کا ایک طویل عرصہ کاٹا ہو۔

"ح۔۔۔ حا۔۔۔ حانی" اس نے کہا اور مسکرا دی۔ اس کا حانی تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لیے۔

"زئی۔۔۔ تم ٹھیک ہو؟" اس نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔ "ہاں نہ میں تو دیکھو کتنی فٹ ہوں۔ میرا حانی جو مجھے واپس مل گیا ہے" وہ ایسے مسکرا کر کہہ رہی تھی جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ حنان کو بہت بری طرح اس بات کا احساس ہوا تھا کہ وہ کیسے ٹوٹ گئی تھی اس کی اجنبیت سے۔ لیکن اس نے اپنے چہرے پر کچھ بھی عیاں نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ بہت بہادر تھی۔ اسے اپنا اپ اس کے سامنے بہت بزدل لگا تھا۔

"زئی مجھے معاف کر دو میں نے تمہیں بہت دکھ دیے ہیں۔" آنکھوں سے آنسو صاف کرنے کے باوجود ایک بار پھر آنسو رواں ہو گئے تھے۔

"زئی کو تو دکھ ہوا تھا لیکن پھر زئی کو کیفی سے ایک بات پتہ چلی تھی اور زئی سمجھ گئی تھی کہ اس کے حانی نے اس کو مصیبت سے بچانے کے لیے قربانی دی تھی" وہ اب بھی مسکرا کر ہی اسے بتا رہی تھی۔ وہ اب آنسو کے ساتھ اس کی مسکراہٹ دیکھتا دیکھتا نا جانے کب خود بھی مسکرا دیا تھا۔ وہ تو اب بھی پہلے دن والی زئی تھی لیکن صرف حانی کے لیے۔ وہ کسی کے ساتھ ایسے بات نہیں کرتی تھی سوائے حانی کے۔

"ہاں لیکن حانی تمہیں بچا نہیں سکا۔ کیا تم حانی کو معاف کر دو گی؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑے نرمی سے اس سے ہوچھ رہا تھا۔ آج کتنے ہی سالوں کے بعد بھوری آنکھیں سرمئی آنکھوں کو دیکھ کر سانس لینا بھول گئیں تھیں۔ وہ ان سرمئی انکھوں میں پوری سما گئیں تھیں۔ سرمئی آنکھیں مسکرا رہیں تھیں بلکل ویسے ہی جیسے وہ ان بھوری آنکھوں کو دیکھ کر اکثر مسکرایا کرتیں تھیں۔

" ٹھیک ہے لیکن زئی کو ایک سوال کا جواب دو؟ " حنان آنکھوں میں نرمی لیے مسکرایا تھا۔ اسے لگا تھا اس کو اس کی کل کائنات لوٹا دی گئی ہو۔

"ہاں پوچھو؟ " اس نے فوراً ہی حامی بھری تھی۔

" تمہیں پتہ ہے کہ میں کس سے محبت کرتی ہوں؟ " اس کے سوال پر حنان نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ تو اب بھی مسکرا رہی تھی۔ اس کو کیفی یاد آیا تھا۔ وہ اسے کتنا خوش ہو کر گل کے بارے میں بتاتا تھا۔ کیا گل بھی اسی سے محبت کرتی تھی۔ اگر کرتی تھی تو اسے کوئی حق نہیں تھا کہ وہ ان کے راستے میں آئے۔

"میں نہیں جانتا کہ تم کس سے محبت کرتی ہو" اس نے دھیمی آواز میں کہہ کر نظروں کا رخ اپنے ہاتھ کی جانب کیا جس میں اس نے گل کا ہاتھ تھاما تھا۔ گل نے فوراً ہی اس سے ہاتھ چھڑا لیا۔ اس نے چونک کر گل کو دیکھا تھا۔

"تم نہیں جانتے پھر تو تم مجھے بھی نہیں جانتے ہو گے" اس نے کہہ کر رخ دوسری طرف کیا تھا۔ حنان کو اس کی بے رخی سے سینے میں چبھن محسوس ہوئی تھی۔

"زئی میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ میں اس دنیا میں جس لڑکی سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ جو اگر میری زندگی سے چلی جائے تو میرے جینے کا مقصد تک ختم ہو جائے اور اسے ایک آنچ بھی آئے تو میرا سانس لینا محال جائے۔ وہ مجھ سے بے رخی کرے تو پھر تو میں مر ہی جاؤں گا وہ لڑکی میری زئی ہے

" اس کی آخری بات پر گل نے اس کی طرف رخ کیا تو وہ رو رہا تھا۔ خاموش آنسو بہہ رہے تھے اور وہ اظہار محبت کر رہا تھا۔ بھلا ایسے کون محبت کا اظہار کرتا ہے رو کر۔ اسے اس پل سامنے بیٹھے اس بکھرے بالوں اور بھوری روتی آنکھوں والے لڑکے پر بے حد پیار آیا تھا۔ اس نے ایک دم ہی اپنے پٹی والے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ حنان نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ "حانی ایک تو تم رو کر مجھ پر بڑا ظلم کرتے ہو۔ میں اچھی بھلی ناراض تھی اور تمہارے رونے سے مجھے تم پر پیار آ گیا ہے۔ لو بھلا اب بندہ ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ اور تم نے ابھی جو بھی کہا تھا وہ سچ ہے کیا؟" حنان اسے دیکھے گیا تھا۔ پھر اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور دوبارہ پہلے کی طرح اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور اس کے ہاتھ کو اپنے سینے پر رکھ دیا۔

"جواب میرے دل سے پوچھ لو" وہ مسکرا کر سرگوشی میں بولا تھا۔ گل بھی مسکرا دی تھی۔ "دھڑکن سے تو لگ رہا ہے کہ تمہارا دل سچ کہہ رہا ہے۔ تو پھر ٹھیک ہے آج سے زئی تمہاری ہوئی" وہ اب کی بار قہقہہ لگا کر

مسکرایا تھا اور پھر گل کے ہاتھ کو لبوں سے لگایا تھا۔

کیفی اندر آنے لگا مگر دروازے پر لگے گول شیشے کے اندر اسے جو منظر نظر آیا تھا وہ اس کے قدم منجمد کرنے کے لیے کافی تھا۔ حنان نے گل کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھام رکھا تھا اور ان دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کو اس طرح دیکھ رہیں تھیں جیسے کوئی محبت کا مارا شخص اپنی محبت کو ایک صدی کے بعد دیکھ رہا ہو۔ وہ وہیں رل گیا اور دروازے کے ساتھ دیوار کے پاس ٹیک لگا کر رک گیا۔ حنان اور گل وہ ایک دوسرے کو نا جانے کب سے پسند کرتے تھے اور وہ اس بات سے بے خبر تھا۔ وہ یہ کس کشمکش میں پڑ گیا تھا ایک طرف اس کا دوست اور دوسری طرف وہ لڑکی جسے اس نے دل و جان سے چاہا تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے متواتر بہہ رہے تھے۔

اسی پل فرحان صاحب آئے۔ "بیٹا تم باہر کیوں کھڑے ہو, تم میری بیٹی کو بروقت لائے تھے نا؟ مجھے حنان نے بتایا ہے۔ میں تمہارا احسان مند ہوں" انھوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ وہ اپنے آنسو چھپانے میں کامیاب رہا تھا پھر جلدی سے سیدھا ہوا۔

"انکل کوئی بات نہیں یہ تو میرا فرض تھا" اس نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا۔ چند پل بعد فرحان صاحب اور کیفی بھی ان کے ساتھ اندر آگئے تھے اور اب گل کے پاس بیٹھے اس سے باتیں کر رہے تھے۔

ایک مہینے بعد

موسم آج خاصہ ٹھنڈا تھا۔ فرحان صاحب کے گھر کا گیٹ کھلا تھا اور ٹرکوں کے ذریعے کرسیاں میزیں اور دیگر سجاوٹ کا سامان لوگ اٹھائے اندر لا رہے تھے۔ اندر افرتفری کا ماحول تھا۔ کہیں کرسیاں سیٹ کرنے کی تدابیر دی جارہیں تھی اور کہیں لائٹیں لگانے کی۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی اور بیوٹیشن کھڑی اس کا میک اپ کررہی تھی۔ بیوٹیشن اب دوپٹہ سیٹ کررہی تھی جبکہ جیا گل سے باتوں میں مگن تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ اب مکمل تیار تھی۔ باہر سے شور کی آواز آئی تھی۔ نازو بی نے اندر آکر گل کو بتایا تھا کہ باہر لڑکے والے آگئے تھے۔ آج گل اور حنان کا نکاح تھا۔ یہ سب باتیں تو تب ہی طے ہو گئیں تھیں جب حنان ان کی زندگیوں میں واپس آیا تھا۔ وہ گل کے ہوش آنے کے بعد رئیس کے پاس گیا تھا وہ نشے کی حالت میں دھت تھا اور اس نے ویسے ہی اس بات کا اقرار کرلیا تھا کہ گل کا ایکسیڈنٹ اس سے ہوا تھا۔ وہ نشے کی حالت میں ڈرائیو کررہا تھا۔ حنان نے اسی وقت اس کو پولیس کے حوالے کیا تھا اور اس کی رقم اس کو واپس ملی تھی جو اس نے اپنی باقی سیونگز کے ساتھ فرحان صاحب کے اکاؤنٹ میں جمع کروادی تھی۔ اس نے اپنا قرضہ اتارنے کا عہد پورا کیا تھا۔ ان کا وہ گھر بھی اس نے ان کو واپس دیا تھا جو اس نے امانت کے طور پر رکھا تھا۔ فرحان صاحب کو اس کی امانداری تربیت پر بہت رشک ہوا تھا۔ انہوں نے تب ہی اس سے گل کے رشتے کی بات کی تھی۔ وہ چاہتے تھے حنان گل کے لیے راضی ہو جائے۔ جب حنان نے اس بات پر رضامندی دکھائی تو فرحان صاحب کو بہت خوشی ہوئی۔ اگلے دن ان کی بات پکی ہوگئی تھی۔ کیفی کو اطلاع ملی تو اس کو پہلے پہل دکھ ہوا تھا۔ مگر جب اسے حنان سے ان کی مکمل داستان پتہ چلی تو وہ سمجھ گیا کہ وہ تو پہلے دن سے ہی ایک دوسرے کے لیے بنے تھے۔ کیفی نے اپنی

ایک طرفہ محبت کا غلط وقت پر اظہار کیا تھا۔ اس نے گل سے اس کی معافی مانگی تھی لیکن گل اس سے شرمندہ تھی۔ اس نے کیفی کو تسلی دی تھی کہ بہت جلد اسے بھی اس کی محبت ضرور ملے گی۔ اور پھر کیفی تو باتوں کو دل پر نہیں لیتا تھا یہی اس کی خصوصیت تھی۔ اسی لیے وہ ہر ایک کا من پسند تھا۔

وہ دونوں ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ گل نے ہلکے نیلے رنگ کا غرارا اور کام والی چولی پہن رکھی تھی۔ ساتھ ہی سر پر ٹکے دوپٹے پر گوٹے کا کام ہوا تھا۔ حنان نے سفید شلوار قمیض اور اوپر ہلکے نیلے رنک کی واسکٹ پہن رکھی تھی۔ اس کی واسکٹ کا رنگ گلنار کے کپڑوں سے ملتا تھا۔ وہ دونوں اس امتزاج میں بہت ہی حسین لگ رہے تھے۔ گل نے ہاتھ ہلا کر دور سٹیج سے نیچے کھڑی جیا کو بلایا تو اس کی کلائیوں میں موجود چوڑیاں اس کے دوپٹے میں اڑ گئی۔ وہ چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کی انگوٹھی کی وجہ سے وہ مزید اڑ گیا تھا۔ حنان نے ساتھ بیٹھے کیفی سے بات کرتے کرتے اسے دیکھا تو اس کی کلائی کو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا اور بہت ہی آرام سے چوڑی اور انگوٹھی سے اس کے دوپٹے کا دھاگا نکالا تو اس کی کلائی آزاد ہوئی۔ اس کے ماتھے پر سجی بندیا اس کے دوپٹے کی وجہ سے ایک طرف ہو گئی تھی۔ حنان نے اس کی بندیا ٹھیک کی اور پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ کب سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"پتہ نہیں کب میری زئی خود کو سنبھالنا سیکھے گی" اس نے شرارت سے کہا تھا۔

"کیوں اپنی زئی کو تو اس کا حانی نہیں سنبھالے گا؟"

اس نے حنان کے قریب آ کر کان میں سرگوشی کی تھی۔

"اور یہ کس نے کہا ہے آپ سے" اس نے بھی گل کے ہی انداز سے اس کے قریب آ کر کہا تھا۔

"اب تو ہمارا نکاح ہو گیا ہے نہ تو حانی نے تو اپنی زئی کو سنبھالنے کے لیے تین بار قبول ہے بولا تھا" اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"جی نہیں وہ قبول ہے اس لیے بولا تھا کہ میں اپنی زئی سے محبت کرتا ہوں" "میں اپنے حانی سے اس سے بھی زیادہ محبت کرتی ہوں"

ختم شد۔۔۔۔۔۔

NOVEL IN URDU